

قرآن مجید: ہماری ضرورت
مسائل سحر و افطار
زکوٰۃ: عبادت سے ”مال غنیمت“ تک
روزہ کا معنی و مفہوم، حکمت و فوائد اور چند مشہور غلطیاں



طلبہ و علماء کا معاشی بندوبست ایک قومی فریضہ ہے!

۱۔ امام لیث بن سعد مصری رحمہ اللہ ہر سال امام مالک بن انس رحمہ اللہ کو ایک ہزار دینار دیا کرتے تھے۔ اور ایک مرتبہ جب امام مالک نے کہا کہ مجھ پر قرض چڑھ گیا ہے تو امام لیث نے ان کی طرف ۵۰۰ دینار ارسال کیے۔

ایک سال امام لیث بن سعد حج کرنے تشریف لائے تو مدینہ آمد پر امام مالک نے ان کی طرف تازہ کھجوروں سے بھری ایک پلیٹ بھیجی، جس میں امام لیث رحمہ اللہ نے واپسی پر ایک ہزار دینار رکھ کر بھیجے۔

۲۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو سرزنش کی گئی کہ آپ کیوں اتنا سارا مال دوسرے علاقوں میں طلبہ و علماء پر بانٹ دیتے ہیں؟

فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ وہ لوگ کس قدر فضیلت اور اخلاص کے حامل ہیں۔ ان حضرات نے پہلے بڑی محنت سے علم حدیث حاصل کیا اور اب لوگ ان سے علم سیکھنے کے محتاج ہیں، جب کہ ان علماء کی اپنی اور ان کے بچوں کی بھی ضروریات ہوتی ہیں۔

اگر ہم ان کو یوں ہی چھوڑ دیں گے تو (معاشی مشکلات کے سبب) ان کا علم ضائع ہو جائے گا۔ اور اگر ہم ان کا تعاون کریں گے تو یہ امت محمدیہ میں علم کی اشاعت کریں گے۔ اور میرے علم کے مطابق نبوت کے بعد علم سکھانے سے بڑا کوئی رتبہ نہیں ہے۔ [سیر اعلام النبلاء: ۳۸۷/۸]

۳۔ جب امام ابن باز رحمہ اللہ کو سعودی عرب کا امیر نایف ایوارڈ (ایک لاکھ ڈالر) دیا گیا تو انہوں نے ساری رقم طلبہ و علم پر وقف کر دی کہ وہ اس سے اپنی ضروریات پوری کریں۔ اور یہی ایوارڈ جب شیخ عبدالحسن عباد حفظہ اللہ کو ملا تو انہوں نے بھی اس کی ساری رقم اپنے مسحق طلبہ میں تقسیم کر دی۔

۴۔ امام ابن عابدین رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص طلب علم میں نکلتا ہے تو دیگر مسلمانوں پر اس کی معاشی کفالت لازم ہوتی ہے۔ اور اگر وہ اس میں کوتاہی کریں تو ان سے بالجبر مال لے کر اس طالب علم پر خرچ کیا جائے گا جیسے زکوٰۃ نہ دینے پر زبردستی وصول کی جاتی ہے۔ [تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ]

Ahlus Sunnah Volume No.12, Issue No.146, March, 2024

جلد: ۱۲

فی شماره Rs. 40/-

شماره: ۱۴۶

سالانہ Rs. 400/-

مارچ ۲۰۲۴ء

ماہنامہ



سرپرست: رضاء اللہ عبدالکریم مدنی نگران: عبدالشکور عبدالحق مدنی

نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمن سنابلی

رابطہ نمبر: 8291063765

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی

رابطہ نمبر: 8657458182

معاونین: ابوالبدیان رفعت سلفی * حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمینگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی * گراؤٹ ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی، ای، او: زید خالد ٹیل

مجلس مشاورت

* شیخ محفوظ الرحمن فیضی * دکتور عبید الرحمن مدنی * شیخ نور الحسن مدنی * شیخ محمد جعفر البندی

نوٹ: اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبر شپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: ● Current Account : ICICI Bank ● Account Name : Ahl us Sunnah

A/c No: 102805001781 ● IFSC Code : ICIC0001028 ● Andheri Link Road Branch

Add: Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-I, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : <http://ahlussunnah.net> | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181



05

رشید سمیع سلفی

زکوٰۃ: عبادت سے ”مال غنیمت“ تک

07

حافظ شاہد رفیق

دور حاضر میں فتنوں کی معرفت اور... علماء اور طلباء کی ذمہ داریاں

15

حافظ خلیل الرحمن سنابلی

قرآن مجید: ہماری ضرورت

20

کفایت اللہ سنابلی

مسائل سحر و افسار

25

محمد محبت اللہ

روزہ کا معنی و مفہوم، حکمت، وفوائد اور چند مشہور غلطیاں

36

عبدالجبار انعام اللہ سلفی

نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کا حکم

38

سرفراز فیضی

شیخ مقیم فیضی: شخصیت کے کچھ اہم گوشے

44

کفایت اللہ سنابلی

طلاق حیض کے عدم وقوع سے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی سند

زکوٰۃ: عبادت سے ”مال غنیمت“ تک

رشید سمیع سلطانی

اسلام ایک عظیم اور انقلابی دین ہے، اس کی تعلیمات سماج و معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، غور کریں کہ نماز بظاہر چند اعمال و افعال کا مجموعہ ہے لیکن اس کو پابندی اور خشوع سے ادا کرنے والا گناہ و معصیت کی دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”ان الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنکر“ یعنی نماز انسان کے اندر ہی اندر فسق و فجور سے نفرت کرنے والا ایک مزاج پروان چڑھاتی ہے، نماز عبادت کے ساتھ نیکیوں کا خوگر اور برائیوں سے تنفر کی حس بیدار کرنے والا ایک کورس بھی ہے، رمضان بھی دینی و اخلاقی اعتبار سے اہل ایمان کی کایا پلٹ کرنے والا ایک نصاب ہے: ”لعلکم تتقون“ میں اللہ تعالیٰ نے یہی بات بیان فرمائی ہے، بعینہ زکوٰۃ اپنی تمام تر حکمتوں کے علاوہ ایک عظیم الشان مقصد بھی رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ سماج و معاشرے میں جو نابرابری ہے، جو معاشی عدم توازن ہے، جو بڑھتی ہوئی غربت و مسکنت ہے، جو محتاجی اور فاقہ کشی ہے، اس کا ازالہ اور اس کے اثرات کو کم سے کم کرنے کی طرف پیش رفت ہو، تاکہ مصیبت زدہ لوگوں کی دادرسی ہو، افلاس و نارسائی کا علاج ہو، دبے کچلے لوگوں کے حالات بہتر ہوں، مصارف زکوٰۃ پر نظر ڈالیے تو ہر طرح کی انسانی ضرورت اور مسائل کو مد نظر رکھ کے ترجیحات طے کی گئی ہیں، زکوٰۃ کا یہ مقصد صرف نظریاتی سطح پر اسلام کا قدا و نچا کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ عملی طور پر اس کے لامحدود اثرات و نتائج اس پر شاہد ہیں، دور نبوت سے عالم اسلام میں زکوٰۃ کا چلن تھا، وقت کا پہیہ گھومتا رہا اور دیکھتے دیکھتے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خوش حالی اتنی آگئی کہ لوگوں کو مستحقین باسانی نہیں ملتے تھے، اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص اپنی زکوٰۃ لے کر اندھیری رات میں مستحق کی تلاش میں نکلا اور ایک مقام پر ایک شخص کو دیکھ کر اسے زکوٰۃ سوچنے لگا، وہ شخص کہتا ہے، یہ آپ مجھے کیا دے رہے ہیں؟ پہلا شخص بولتا ہے، یہ میری زکوٰۃ ہے اور میں آپ کو مستحق سمجھ کر دے رہا ہوں، وہ کہتا ہے، دراصل آپ نے غلط سمجھا، میں بھی اپنی زکوٰۃ لیے ہوئے مستحق کی تلاش میں ہوں، یہ صحیح معنوں میں اسلامی نظام زکوٰۃ کی برکت تھی، یہ حوالے جب پڑھو تو ہمیں اپنے کھوسر سماج کے رویوں پر دکھ ہوتا ہے، غرباء و مساکین کی کسمپرسی دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے، لوگوں کے دل خراش حالات کا مداوا زکوٰۃ میں اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا جو امت کی غفلت اور بے شعوری کے سبب اپنی افادیت کھو چکا ہے، آج امت زکوٰۃ نکال رہی ہے اور زکوٰۃ تقسیم بھی کر رہی ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ مسائل اور مشکلات روز افزوں ہیں، کیا وجہ ہے کہ امت کشتکول لیے دردر کی ٹھوکر کھا رہی ہے؟ کیا وجہ ہے کہ بیوہ اور نادار مارے مارے پھر رہے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ مریض علاج کے بغیر ایڑیاں رگڑ رہے ہیں؟

کیا وجہ ہے کہ خوش حالی اور وسعت کے لیے آج تک امت ترس رہی ہے؟ دراصل زکوٰۃ کا نظام پوری طرح سے انتشار اور بد نظمی کا شکار ہے، زکوٰۃ لوگوں کی صوابدید اور مصلحتوں کے تابع ہو چکا ہے، دینے والوں کے دل صاف نہیں اور لینے والوں کا معاملہ بھی درست نہیں ہے، ایک کروڑ پتی بھی زکوٰۃ کے نام پر چند رسید پھڑ والینے اور چند نوٹ غرباء میں تقسیم کرنے کو کافی سمجھ لیتا ہے، زکوٰۃ کے لیے منصفانہ حساب اور اس کے مطابق عمل درآ مد بہت کم لوگوں کے یہاں پایا جاتا ہے، منتشر شکل میں پڑے ہوئے مال کا حساب کر کے ایمانداری کے ساتھ ڈھائی فیصد الگ کرنا اور غرباء کے اس حق سے اپنی مصلحتوں کو تعلق کر لینا مشکل امر بن چکا ہے، اللہ نے اسے غرباء کا حق کہا ہے، مگر صاحب نصاب اسے اپنی ملکیت سمجھنے کے خبط میں مبتلا ہوتا ہے اور اگر دیتا بھی ہے تو احسان کی نفسیات کے ساتھ دیتا ہے، حدیث رسول ﷺ میں زکوٰۃ کو تاوان سمجھنے کی بات موجودہ احوال پر صادق آ رہی ہے۔ ایک کثیر تعداد زکوٰۃ کا مال خود ڈکار جاتی ہے، غور کریں کہ ایک شخص جو کروڑوں اور اربوں کا مالک ہے، اربوں روپیہ بزنس اور تجارت میں لگایا ہوا ہے، وہ اگر انصاف کے ساتھ زکوٰۃ نکالے تو صرف ایک شخص کی زکوٰۃ لاکھوں تک پہنچے گی، اس طرح اگر سیکڑوں افراد کی زکوٰۃ کا آپ حساب لگائیں تو تخمینہ کہاں تک پہنچے گا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف بطور زکوٰۃ اتنی خطیر رقم جمع ہو سکتی ہے جس سے نہ صرف یہ کہ غرباء و مساکین خوش حال ہو جائیں گے بلکہ دینی اداروں کے لیے بھی کفایت کرجائے گی، مگر افسوس منصفانہ عمل درآ مد اور شفافیت نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا نظام اپنا کردار ادا نہیں کر پا رہا ہے۔

رقوم زکوٰۃ کی تقسیم بھی بد عنوانی کا شکار ہے، زکوٰۃ کو ذاتی ملکیت سمجھنے کے تصور نے اصحاب نصاب کو بد عنوان بنا دیا ہے، لوگ اپنی صوابدید کے مطابق مال زکوٰۃ خرچ کرنے کے مجاز ہیں، کوئی پوری رقم اپنے گاؤں کے مکتب میں دے رہا ہے، کوئی پردھانی کالیکشن لڑنے کے لیے دے رہا ہے، کوئی کسی کو بزنس میں سپورٹ کرنے کے لیے دے رہا ہے، کوئی ایک خطیر رقم کسی عصری ادارے کے تعمیر کام میں دے رہا ہے، کوئی زکوٰۃ کے پیسے سے کیس لڑ رہا ہے اور وکیل کی فیس دے رہا ہے، تعلقات کی بنیاد پر بڑی بڑی رقم بغیر یہ دیکھے دی جا رہی ہے کہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں کہ نہیں، کہیں نومسلموں کے نام پر زکوٰۃ جمع کی جا رہی ہے، کہیں بچیوں کی شادی میں جہیز کے لیے زکوٰۃ مانگی جا رہی ہے، کہیں فیک رسیدوں کے سیلاب میں اموال زکوٰۃ تتر بتر ہو رہے ہیں، کہیں مساجد کی تعمیر میں زکوٰۃ کا استعمال ہو رہا ہے، ایک لوٹ پڑی ہے، بندر بانٹ ہو رہی ہے، گویا زکوٰۃ نہ ہوئی لوٹ کا مال ہو گئی، یہ نا انصافیاں اور دھاندلیاں ہیں جس نے زکوٰۃ کی برکت اور اس کی افادیت کو ختم کر دیا ہے، غربت کہاں سے ختم ہوگی؟ مسائل کا ازالہ کیسے ہوگا؟ تشنہ ضرورتوں کی تکمیل کیسے ہوگی؟ سب سے زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کی یہ ساری بے اعتدالیاں رمضان کے مبارک مہینے میں ثواب سمجھ کر کی جاتی ہیں، اللہ امت کو عقل سلیم عطا کرے اور زکوٰۃ کے مسئلے میں صحیح شعور عنایت فرمائے۔ آمین

دور حاضر میں فتنوں کی معرفت اور ان کے تدارک میں علماء اور طلباء کی ذمے داریاں

حافظ شاہد رفیق

الحمد لله رب العالمين و الصلوة والسلام على أشرف الأنبياء و المرسلين، وعلى آله و أصحابه و أتباعه إلى يوم الدين.

اہل علم کے لیے انتہائی ناگزیر ہے کہ معاشرے میں دعوت دین کے حوالے سے اپنی ذمے داریوں کو پہچانیں اور عوامی و دینی حلقوں میں جو خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں ان کی اصلاح کے لیے اہم کردار ادا کریں۔

آج جن لوگوں کے پاس اقتدار اور اختیار ہے اگر وہ دعوت دین کی ذمے داریوں سے کنارہ کش ہو رہے ہیں تو آج دینی جماعتوں اور تعلیمی اداروں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس خلا کو پر کریں اور ان ذمے داریوں کو پورا کیا جائے جو اسلام کی طرف سے ہم پر عائد ہوتی ہیں۔

مندرجہ بالا موضوع کی تفہیم کے لیے ہم اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں، تاکہ اچھی طرح سے اس موضوع کا احاطہ ہو سکے اور بہ آسانی بات سمجھ میں بھی آجائے۔

☆ (۱) دور حاضر:

اس عنوان سے ہمیں یہ سیکھنا چاہیے کہ موجودہ حالات میں ہمیں کیا کردار ادا کرنا ہے؟ اس فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں حالات کا پورا ادراک ہو، ہم عوام سے تعلق رکھیں، معاشرے کے اندر رہن سہن سیکھیں اور ان خرابیوں پر نظر رکھیں جو معاشرے میں پیدا ہو کر عوام کو دین سے دور کر رہی ہیں۔

آج اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ دین بس یہی ہے کہ خود اپنا عمل کرو اور اپنے آپ کو گھر تک محدود رکھو تو پھر اسے علم اور دین سے اپنی وابستگی کا ازسرنو جائزہ لینا چاہیے۔ اور اگر ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم انبیاء کے وارث ہیں اور ہم اس بات کے بھی دعوے دار ہیں کہ علم کو عبادت پر اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ عبادت کا نفع ایک فرد تک محدود رہتا ہے اور علم کا نفع افراد اور عوام تک متعدی ہوتا ہے تو پھر ہم عوام اور معاشرے سے الگ تھلگ رہ کر کسی طور اپنی ذمے داریوں کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

☆ (۲) فتنوں کی معرفت:

اس حوالے سے ہمیں وہ حدیث یاد رکھنی چاہیے جو فتنوں کی معرفت اور علم کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”كان الناس يسألون رسول الله ﷺ عن الخير و كنت اساله عن الشر مخافة ان يدركني“

”دوسرے صحابہ کرام تو رسول اللہ ﷺ سے خیر کے متعلق سوال کیا کرتے تھے لیکن میں شر کے بارے میں پوچھتا تھا اس خوف سے کہ کہیں میں ان میں نہ پھنس جاؤں“ [صحیح البخاری: ۳۶۰۶]

اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ فتنوں سے بچاؤ کے لیے ان کی معرفت اور حقیقت کا علم ہونا ضروری ہے۔ اور صحابہ کے ہاں تو یہ موضوع عام طور پر زیر بحث رہتا تھا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں:

قَالَ عَمْرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «أَيْكُمْ يَحْفَظُ حَدِيثَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْفِتْنَةِ؟ قَالَ: قُلْتُ: أَنَا أَحْفَظُهُ كَمَا قَالَ، قَالَ: إِنَّكَ عَلَيْهِ لَجَرِيءٌ»

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”تم میں سے کس شخص کو رسول کریم ﷺ کی وہ حدیث یاد ہے جو آپ ﷺ نے فتنے کے سلسلے میں ارشاد فرمائی تھی؟ میں نے کہا کہ مجھے یاد ہے اور بالکل اسی طرح یاد ہے جس طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اس (فتنوں کی معرفت) میں بہت دلیر ہو“ [صحیح البخاری: ۳۵۸۶]

ان نصوص سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان فتنوں کی معرفت کس قدر ضروری ہے کہ ان کی پہچان کے بغیر ہم اپنے بچاؤ کا سامان نہیں کر سکتے۔ ایسا ہی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

أَنَا نِي هُوَا هَا قَبْلَ أَنْ أَعْرِفَ الْهَوَى فَصَادَفَ قَلْبًا خَالِيًا فَتَمَكَّنَا

”دل اس کی معرفت سے خالی تھا، وہ خیال دل میں آیا اور جاگزیں ہو گیا اور میں اس کو روک بھی نہ سکا“

☆ فتنوں کا تذکرہ:

ہمیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ آج کون سے فتنے ہیں جو عوام اور خواص کی دنیا و آخرت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہے ہیں اور معاشرے میں دینی لہر کو کمزور سے کمزور تر کرتے جا رہے ہیں۔ اس حوالے سے ایک بنیادی بات یاد رکھنی چاہیے کہ فکری اعتبار سے دنیا دو گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے:

(۱) خدا کا انکار، آسمانی شریعتوں کا انکار، انبیاء، کتابوں اور آخرت کا انکار، الغرض یہ لوگ کسی چیز کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

(۲) پہلے گروہ کے برعکس دوسرا فریق اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والا اور اسلام کے عقائد کی دعوت دینے والا ہے۔

ان دونوں گروہوں میں پہلے گروہ کا مقصد اسلامی عقائد میں تشکیک اور لوگوں میں شبہات پیدا کرنا ہے اور یہی جڑ ہے جو باقی تمام فتنوں کو پروان چڑھا رہی ہے۔

☆ فتنوں کی معرفت کے لیے مصادر و مراجع:

فتنوں کی تاریخ اور ابتداء و ارتقا انتہائی تفصیل طلب موضوع ہے، لیکن اس حوالے سے چند بنیادی امور اور کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ جن کے ذریعے سے ان فتنوں کی معرفت اور ان کے سدباب کا علم حاصل کیا جاسکتا ہے۔

☆ الحاد کا فتنہ:

اسلامی عقائد پر تشکیک کا فتنہ دن بہ دن بڑھتا چلا جا رہا ہے، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں بنیادی عہدوں پر براہمان لوگ اور معاشرے میں ذرائع ابلاغ کے سارے وسائل پر آج اکثریت ان لوگوں کی قابض ہے جو اس فتنے کا شکار ہیں۔

الحاد اور تشکیک کے فتنے کی معرفت کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے:

(۱) اساسیات اسلام، مولانا حنیف ندوی رحمہ اللہ (اس کتاب میں اسلام کے بنیادی عقائد کا تعارف، اور اس پر وارد ہونے والے اشکالات کا علمی، عقلی، نقلی اور سائنسی اعتبار سے جواب دیا گیا ہے)

(۲) مذہب اور جدید چیلنج، مولانا وحید الدین خان (لیکن یاد رہے کہ اس مؤلف کے عقائد و افکار میں کئی غلطیاں موجود ہیں، جن پر علماء نے مختلف رسائل و جرائد میں نقد کر رکھا ہے)۔

(۳) تنقیحات، مولانا مودودی (ان کی فکری غلطیوں سے بھی آگاہ رہنا چاہیے)

(۴) الوحی الحمدی، علامہ رشید رضا (یہ مصر کے عالم دین تھے)

ان کتب میں الحاد اور تشکیک کے فتنے کا تعارف اور ملحدین کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

☆ معاشرے میں موجود فتنے اور ان کا سدباب:

الحاد کا فتنہ آج ہمارے عوامی حتیٰ کہ دینی حلقوں میں بھی چار قسم کے گروہوں کے کندھوں پر سوار ہو کر لوگوں کو دین سے دور کر رہا ہے۔ اور بد قسمتی سے یہ چار کندھے بھی الحاد کو ان گروہوں نے مہیا کیے ہیں جو اپنی نسبت اسلام کی طرف رکھنے والے ہیں۔ وہ چار گروہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قادیانیت:

ایک تو یہ فتنہ اپنی خامیاں اور برائیاں بھی معاشرے میں پھیلا رہا ہے اور ساتھ ہی الحاد کا بھی دست و بازو بن کر عوام کو دین و آخرت سے دور کر رہا ہے۔

آپ اس بات پر حیران ہوں گے کہ قادیانیت کے بنیادی عقائد میں خدا کا انکار شامل نہیں ہے لیکن یہ فتنہ ہر اس قوت کو اپنا کندھا مہیا کرتا ہے جو ایک مسلمان کا خدا، رسول، آخرت اور قرآن و حدیث پر ایمان کو کمزور کرنے والا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مسلمان براہ راست قادیانیت کو قبول کرنے سے انکار کر چکے تو اب یہ لوگ الحاد کا سہارا لے رہے

ہیں تاکہ عوام کا اسلام سے تعلق کمزور ہو تو یہ لوگ عوام میں اپنا مذہب پیش کریں اور اس کی ترویج کریں۔

قادیانیت کے فتنے کا مقابلہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب ہم اس کی تاریخ سے واقف ہوں، اس کی نشوونما کے اسباب اور ابتدائی حالات کے متعلق جانکاری رکھتے ہوں اور اس کے بعد اس مذہب کے دلائل اور علمی بنیادوں پر ہم ان کے شبہات سے اچھی طرح سے واقفیت رکھتے ہوں۔

ان معلومات کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے:

(۱) قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، پروفیسر الیاس برنی (اگر کوئی عالم یا طالب علم حتیٰ کہ عام شخص بھی اس کو سمجھ کر پڑھ لے تو قادیانی فتنے کو نہ صرف سمجھ سکتا ہے بلکہ اچھی طرح سے اس کا مقابلہ بھی کر سکتا ہے)

(۲) محمدیہ پاکٹ بک، مولانا عبداللہ معمار رحمہ اللہ (اس میں قادیانیت کے تمام دلائل کا قرآن و حدیث اور قادیانی مذہب کی بنیادی کتابوں سے رد کیا گیا ہے)

(۳) احتساب قادیانیت (عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کی طرف سے ساٹھ جلدوں میں تمام علمائے اسلام کا لٹریچر جمع کیا گیا ہے جو انہوں نے قادیانیت کے رد پر لکھا تھا)

(۴) محاسبہ قادیانیت (۱۴) جلدوں میں علمائے کرام کی کتب کو جمع کیا گیا ہے)

(۵) تحریک ختم نبوت، ڈاکٹر بہاء الدین (یہ ساٹھ جلدوں سے بھی زائد ہے جس میں رد قادیانیت پر تمام علماء کے علمی ذخیرے کو جمع کیا گیا ہے)

فتنہ قادیانیت کے حوالے سے دو علماء کے علمی ذخیرہ کو اچھی طرح پڑھنا چاہیے اور ان کو حرز جاں بنانا چاہیے:

(۱) مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ، یہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مرزا قادیانی کا براہ راست مقابلہ کیا، اس کے ساتھ مناظرہ کیا اور انہوں نے ”اشاعت السنۃ“ کے نام سے ایک مستقل رسالہ نکالا تھا جس کا موضوع ہی ”مرزا قادیانی کی تردید“ ہوا کرتا تھا، مولانا صاحب نے قادیانیت کے رد میں جتنا بھی مواد لکھا تھا وہ ”محاسبہ قادیانیت“ کی جلد نمبر ۹، ۱۰، ۱۱ میں شائع ہو چکا ہے۔

(۲) شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ، یہ دوسری شخصیت ہیں جنہوں نے قادیانیت کی تردید میں بے مثال علمی ذخیرہ رقم کیا، ان کی ”تینتیس (۳۳)“ کتابوں کو ”احتساب قادیانیت“ والے مجموعہ کی جلد نمبر ۸، ۹ میں شائع کیا گیا ہے۔

ان علماء کی کتابیں پڑھنے سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ ان کی کتب سے علمی دلائل ملتے ہیں۔

۲- دوسرا یہ وہ علماء ہیں کہ جنہوں نے براہ راست قادیانی مذہب کے بانی اور اس کے ابتدائی لوگوں کا مقابلہ کیا اور اسی دور میں ان کو ناکام کیا۔

تو یہ قادیانی فتنہ وہ پہلا عنصر ہے جس کے کندھے پر سوار ہو کر الحاد اور تشکیک کا مرض اسلامی معاشرے میں پھیلنا جا رہا ہے۔
(۲) رافضیت:

یہ لوگ بھی خدا، رسول اور آخرت کے انکاری نہیں ہیں لیکن اسی مقصد سے یہ الحاد کے یمن و یسار بنے ہوئے ہیں، تاکہ اسی بہانے پر یہ لوگ عوام میں اپنے فاسد عقائد پھیلا سکیں۔
رافضیت کے حوالے سے دو باتوں کا سمجھنا بہت ضروری ہے:
پہلی یہ کہ اصل رافضیت کیا ہے.....؟

اور دوسری بات یہ کہ موجودہ دور میں اس کی جدید صورت کون سی ہے.....؟

(۱) اصل رافضیت: وہی ہے کہ یہ لوگ قرآن میں بھی تشکیک اور صحابہ کی بھی تکفیر کرتے ہیں۔ اس پر علماء نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن اگر ہر عالم دین اور طالب علم اس رافضیت کو سمجھنے کے لیے صرف ایک کتاب کو صحیح سمجھ کر پڑھ لے تو نہ صرف اس کی حقیقت سے آگاہی حاصل کر لے گا بلکہ اس کا مقابلہ بھی کر سکے گا، اور وہ کتاب شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ”منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریۃ“ ہے، اس کتاب میں فتنہ رافضیت کی علمی دلائل کے ساتھ الزامی، عقلی اور نقلی ہر لحاظ سے تردید کی گئی ہے۔ یہ کتاب ہر طالب علم کے زیر مطالعہ ہونی چاہیے تاکہ وہ باطل سوچ و فکر کا رد کر سکے۔

(۲) جدید رافضیت: اس کو پھیلانے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا گیا ہے کہ اہل سنت کی طرف منسوب ایسے افراد پیدا ہوئے جو قرآن میں تشکیک یا اس کا انکار نہیں کرتے ہیں، نہ ہی صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں بلکہ عوام کے سامنے صحابہ کا احترام بجالاتے ہیں، لیکن صحابہ کے درمیان ہونے والے مشاجرات اور اختلافات کی آڑ لے کر کچھ صحابہ کا احترام بیان کرتے ہیں اور کئی صحابہ پر طعن، تشنیع، تنقید اور تبراء کرتے ہیں، اس سے مقصود یہ ہے کہ رافضیت کے لیے وہ سہولت کاری کی جاسکے کہ جن کی بنیاد پر مسلمانوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس دور میں اس فتنے کا بانی ”فیصل آباد“ کا ”اسحاق جہالوی“ تھا اور آج اس کا پیروکار ”مرزا علی محمد جہلمی“ ہے، اس فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے دو کتابیں لازمی پڑھنی چاہئے:

۱- مقام صحابہ، مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ (اگر ایک مسلمان یہ کتاب پڑھ لے اور عوام میں اس کی اشاعت کرے یا اس سے حاصل شدہ مباحث کو پھیلائے میں محنت کرے تو یہ جدید رافضیت کا فتنہ اپنی موت آپ مر سکتا ہے)۔

اسی طرح ”غازی محمود دھرم پال“ (یہ مسلمان تھا پھر ہندو ہوا پھر بعد میں مسلمان ہو گیا) اپنی کتاب ”داستان غم“ میں لکھتا ہے: ”میں اسلام سے اس لیے منحرف ہوا تھا کہ جب مجھے بدعتی رسم و رواج کی دعوت دی گئی تو اسلام سے میرا اعتبار ہی جاتا رہا۔“

یہ چار فتنے ہیں جو الحاد کو اپنے کندھے مہیا کر رہے ہیں اور لوگوں کو قرآن و سنت سے دور کر رہے ہیں، ان کی پہچان کے لیے مندرجہ بالا مصادر کو لازمی پڑھنا چاہیے تاکہ ان فتنوں کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد ان کا رد کیا جاسکے اور معاشرے میں اسلامی عقائد و افکار کی ترویج کی جاسکے۔

☆ فتنوں کے تدارک میں علماء و طلباء کا کردار:

یہ ہمارے موضوع کا دوسرا حصہ ہے، اس کی مختلف اقسام بنا کر اس کو بھی بڑی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

(۱) علمی رسوخ: ان فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے علمی طور پر اپنے آپ کو مضبوط کرنا ضروری ہے۔ اور اپنے اندر علمی رسوخ پیدا کرنے کے لیے ہمیں یہ سوچ بدلنی ہوگی ”کہ صرف قرآن و حدیث کا ترجمہ پڑھ لینا کافی ہے“ کیونکہ اس سوچ کی وجہ سے طالب علم اصول فقہ کے علم سے متنفر ہو جاتا ہے، اصول حدیث کو بھی غیر ضروری سمجھتا ہے اور بقیہ معاون علوم و فنون سے بھی غفلت برتتا ہے۔

اگر صرف قرآن اور حدیث کا ترجمہ پڑھنا ہی علمی رسوخ کا ذریعہ مان لیا جائے تو پھر ہم میں اور اس جاہل انسان میں کوئی فرق نہیں جو ساری زندگی علماء کے دروس اور خطبات سنتا رہتا ہے لیکن اس میں کبھی علمی رسوخ پیدا نہیں ہوتا، حتیٰ کہ عامی شخص اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات کے متعلق بھی مکمل جانکاری حاصل نہیں کر پاتا، لہذا فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے علمی رسوخ اولین شرط ہے۔

(۲) عملی اقدامات: علمی رسوخ پیدا کرنے کے بعد ہمیں اپنے مقام کا تعین کرنا چاہیے کہ جب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم انبیاء کے وارث ہیں، تو پھر ہم پر یہ حق بنتا ہے کہ اب اس پیغام کو آگے پہنچانے کے لیے لوگوں تک رسائی حاصل کریں اور اسلامی عقائد و افکار کی نشر و اشاعت میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کریں۔

(۳) ضروریات دین کی تبلیغ: جب عوام سے ربط پیدا ہو جائے تو سب سے قبل انہیں ضروریات دین کی تبلیغ کریں، اسلام کے عقائد اور بنیادی مسائل کی تعلیم دیں، اور ان کے شبہات کا ازالہ کریں، کیونکہ اگر انسان کا عقیدہ مضبوط ہو جائے تو پھر وہ بڑی آسانی سے ان فتنوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسی ضمن میں ”سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ“ کا ایک واقعہ سنیں کہ وہ کہتے ہیں:

”میں نے اپنی زندگی میں علمی و کلامی فتنوں کو پڑھا ہے، جدید اور قدیم فتنوں کو ان کے اصل مصادر سے مطالعہ کیا،

لیکن کبھی کبھی کوئی فتنہ میرے دل میں اپنی جگہ نہ بنا سکا اور نہ کوئی شبہ مجھے متاثر کر سکا۔“ پھر اس کی وجہ بیان کرتے ہیں:

جب میں چھوٹا تھا تو میرے بڑے بھائی حکیم سید ابوصہیب صاحب محلے میں عورتوں کو ’تقویۃ الایمان، شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ‘ کی کتاب پڑھایا کرتے تھے۔ میں اس وقت چونکہ چھوٹا تھا تو مجھے حکم دیتے تو میں پردے کے پاس کھڑے ہو کر اس کی قرأت کیا کرتا تھا، اور بڑے بھائی پردے کے پیچھے سے ایک ایک بات کی تشریح و تفسیر کرتے رہتے تھے، اور میں نے کئی دفعہ اسی طرح اس کی قرأت کی تھی۔ اس دوران اسلامی عقائد اور اس کے جو دلائل میرے دل و دماغ میں راسخ ہو چکے تھے، اس کے بعد ساری زندگی کوئی بھی فتنہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکا۔ (مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں: ۸)

اس دنیا میں جتنے بھی ذرائع ابلاغ ہیں ان کے ذریعے اسلام کی دعوت کو اور ان فتنوں کی حقیقت کو سرعام نشر کرنا چاہیے اور یہ جو بیمار سوچ آج لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہو چکی ہے کہ کسی پتہ نقید نہ کرو، اصل میں یہ اسلامی دعوت کے منہج سے ناواقف سوچ ہے۔ آپ دیکھیں کہ قرآن مجید کے اندر حق کی تائید بھی ہے اور باطل پر جگہ بھی تنقید ملتی ہے۔ اسلام تو حید سکھاتا ہے تو شرک کی مذمت کرتا ہے، سنت سکھاتا ہے تو بدعت کا رد بھی کرتا ہے، لہذا اس بیمار سوچ کے سبب اپنے فرائض کو نہیں چھوڑنا چاہیے، خواہ جو مرضی کوئی پروپیگنڈا کرتا رہے۔

آج دیکھ لیں کہ دنیا انہی علماء کا ذکر کرتی ہے کہ جنہوں نے اسلام کی مثبت دعوت بھی دی اور اپنے وقت کے فتنوں کا پوری طرح سے مقابلہ کیا، لہذا فتنوں کی تردید کرنے اور ان پر تنقید کرنے میں اسلامی اسلوب کو اختیار کر کے ہم اپنی ذمے داریاں ادا کر سکتے ہیں۔

☆ آخری نصیحت:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں جب فتنہ پھیل گیا تو حضرت عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: ”ما المخرج؟“ ”کہ ان فتنوں سے چھٹکارا کیسے ممکن ہے؟“ تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”کتاب اللہ ما استبان لک فاعمل بہ، وما اشتبه علیک فکلہ الی عالمہ“ ”اللہ کی کتاب سے جتنا بھی تم کو علم اور فہم حاصل ہے اس پر مضبوطی سے ڈٹے رہو، اور جس چیز کا علم نہیں اسے کسی عالم دین سے سیکھو“ [مختصر قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی: ص: ۱۷۴]

آج اگر ہم بھی فتنوں کے دور میں عوام کو علماء اور دینی مراکز سے جوڑ دیں تو آدھے فتنے ویسے ہی ختم ہو جائیں گے، مثلاً ہم اپنے علاقے کے سلفی منہج اور اہل حدیث علماء کے قول و فعل کو مد نظر رکھیں تو اس سے بھی ہم سیکھ سکتے ہیں کہ موجودہ دور میں ایک عالم اور طالب علم کا کردار کیا ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب کا فہم نصیب کرے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

قرآن مجید: ہماری ضرورت

حافظ خلیل الرحمن سنابلی

قرآن اللہ کا کلام ہے، یہ اس کی کتاب ہے جسے اس نے انسانوں کی فلاح اور رشد و ہدایت کے لیے نازل کیا ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے اس قرآن کو اللہ رب العالمین نے اپنے پیارے رسول محمد ﷺ پر نازل کیا اور اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو ڈرانے کا حکم دیا، ساتھ ہی ساتھ اس نے اس کتاب کو انسان کی ضرورت قرار دیا کہ زندگی میں انسانوں کے تمام معاملات کے لیے اس کتاب کی نہایت ہی ضرورت ہے، زیر نظر مضمون میں ہم اسی حوالے سے گفتگو کریں گے کہ قرآن ہماری ضرورت کیوں ہے؟ کیسے ہے؟ اور کس طریقے سے ہے؟

۱۔ اللہ کا تعارف حاصل کرنے کے لیے:

قرآن مجید کے اندر جگہ جگہ اللہ رب العالمین کا تذکرہ ہے، وہ اللہ جو انسانوں کا رب ہے، جو ان کا مالک ہے، جو ان کا خالق ہے، جو ان کے تمام معاملات کی تنظیم اور تدبیر کرنے والا ہے لہذا انسانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک، اپنے رب اور اپنے معبود کو پہچانیں اور اللہ کے تعارف کے لیے یہ کتاب یعنی قرآن مجید نہایت ہی معاون ثابت ہوتی ہے۔ آپ قرآن مجید پڑھیں تو جگہ جگہ آپ کو اللہ رب العالمین کا تذکرہ ملے گا، ہر ایک آیت یا دوسری آیت میں اللہ کے کسی نام، اس کی کسی صفت، اس کی کسی خوبی، اس کے کسی کمال اور اس کے کسی کام کا تذکرہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے کیا کیا ہے اور انسانوں کی ہدایت اور ان کی بہتری کے لیے اس نے دنیا کے اندر کس کس طریقے سے انتظام کیا ہے۔ تو قرآن ہماری ضرورت ہے کیوں؟ اس لیے تاکہ ہم اپنے رب کو پہچان سکیں اور اپنے رب کا تعارف حاصل کر سکیں۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت اور حیات طیبہ جاننے کے لیے:

یہ قرآن اللہ رب العالمین نے رسول ﷺ پر نازل کیا تو قرآن مجید کے اندر جو کچھ بھی ہے وہ رسول ﷺ کی زندگی کا حصہ ہے اور رسول اکرم ﷺ کی زندگی کو مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کے لیے اللہ نے اسوہ حسنہ اور نمونہ قرار دیا ہے، جب تک ہم قرآن نہیں پڑھیں گے تب تک ہمیں اپنے پیغمبر ﷺ کی سیرت اور حیات طیبہ ٹھیک طریقے سے جاننے کا موقع نہیں ملے گا، اسی لیے جب پوچھنے والے نے اماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ تو انہوں نے کہا تھا: کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ قرآن میں جو کچھ ہے وہ محمد ﷺ

کے اخلاق ہیں۔ تو قرآن ہماری ضرورت ہے کیوں؟ اس لیے تاکہ ہم اپنے پیارے رسول ﷺ کی سیرت طیبہ کے بارے میں جانکاری حاصل کر سکیں اور ان کو اپنے لیے نمونہ مان کر انہی کے راستے کو اختیار کر کے اس پر چلنے کا انتظام کر سکیں۔

۳۔ عبادتوں کے لیے:

آپ قرآن مجید پڑھیں تو آپ کو یہ بات ملے گی کہ اللہ نے قرآن میں جو سب سے پہلا حکم دیا ہے وہ اس کی عبادت کا ہے، اللہ رب العالمین نے فرمایا کہ: ”اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا“۔ [سورۃ البقرۃ: ۲۱] اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے انسانوں اور جنوں کی تخلیق صرف اپنی عبادت کے لیے کی ہے جیسا کہ اللہ نے سورۃ الذاریات میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور مکمل قرآن آپ پڑھ جائیں تو آپ کو یہ بات معلوم ہوگی کہ اللہ نے قرآن مجید کے اندر مختلف طرح کی عبادتوں کا تذکرہ کیا ہے اور ساتھ ہی اس بات کا حکم دیا ہے کہ عبادت کے جو بھی کام ہیں وہ صرف اور صرف اللہ رب العالمین کے لیے انجام دیئے جائیں گے اس کے علاوہ کسی اور کے لیے عبادت کا کوئی بھی کام انجام دینا یہ شرک ہے اور اسی بات کو ثابت کرنے کے لیے اللہ رب العالمین نے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ بھی جاری کیا اور ہر نبی ہر رسول کی بنیادی دعوت یہی تھی کہ اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی پیروی اور اس کی عبادت سے بچو۔ آپ جب تک قرآن نہیں پڑھیں گے تب تک آپ کو ٹھیک طریقے سے عبادتوں کے بارے میں علم حاصل نہیں ہوگا۔ تو قرآن ہماری ضرورت ہے کیوں؟ اس لیے تاکہ ہم عبادتوں کے بارے میں صحیح طریقے سے معلومات حاصل کر سکیں اور عبادتوں کا تنہا اور اکیلا مستحق جو اللہ ہے اس اللہ کی ہم ٹھیک طریقے سے عبادت کر سکیں۔

۴۔ انبیاء کے واقعات سے صبر اور برداشت کا مادہ پیدا کرنے کے لیے:

انسانی زندگی میں بعض دفعہ حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ انسان پریشان ہو جاتا ہے اور ایسی صورت حال میں وہ بعض دفعہ کوئی غلط حرکت کر جاتا ہے یا کسی غلط چیز کا انتخاب کر لیتا ہے، لیکن اگر اس کے دماغ میں قرآنی واقعات ہوں اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور ان کے قصے محفوظ ہوں تو ایسے نازک اور مشکل ترین حالات پر صبر کرنا اور اسے برداشت کرنے کا مادہ اس کے اندر پیدا ہوگا، اسی لیے قرآن مجید ہماری ضرورت ہے تاکہ ہمارے اندر صبر اور برداشت کا مادہ پیدا ہو، آپ قرآن مجید اٹھا کر کے دیکھیں تو اللہ رب العالمین نے مختلف نبیوں کے قصے اور واقعات ذکر کیے ہیں، وہ کن حالات سے گزرے، انہوں نے مشکل حالات کا مقابلہ کیسے کیا، بیماریوں پر صبر کیسے کیا، مصائب

پر صبر اور تکلیف وہ حالات کا سامنا لوگوں نے کیسے کیا یہ ساری باتیں اللہ رب العالمین نے قرآن مجید کے اندر بیان کی ہیں۔ تو قرآن ہماری ضرورت ہے کیوں؟ اس لیے تاکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات اور ان کے قصے پڑھ کر کے ہمارے اندر صبر اور برداشت کا مادہ پیدا ہو اور ہم مختلف طرح کے مشکل حالات اور پریشانیوں کا صحیح طریقے سے مقابلہ کر سکیں۔

۵۔ بری اور نافرمان قوموں کے انجام سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لیے:

اللہ رب العالمین نے جہاں انسانوں کی نیکیوں اور ان کی اچھائیوں پر اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے وہیں گناہوں پر اور نافرمانیوں پر سخت قسم کی سزاؤں کی بات بھی بتلائی ہے، قرآن مجید کے اندر اللہ رب العالمین نے ایسی بری اور نافرمان قوموں کا انجام بھی ذکر کیا ہے کہ جنہوں نے اللہ کی نافرمانی کی، اس کے رسولوں کو جھٹلایا، اس کی کتابوں کی تکذیب کی، نشانیوں کا مطالبہ کیا، پھر نشانیاں اور معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے تو اللہ رب العالمین نے ان کو کسی عذاب میں مبتلا کر دیا اور دنیا کے اندر ہی سزا دے کر ان کے وجود کو اللہ نے مٹا دیا، یہ کس لیے؟ تاکہ یہ قومیں دوسرے لوگوں کے لیے نصیحت کا اور عبرت کا سامان بن سکیں۔ قرآن ہماری ضرورت ہے کیوں؟ اس لیے تاکہ ہمارے ذہن و دماغ میں یہ احساس باقی رہے اور اس بات کی ہمیں جانکاری ہو کہ اگر ہم بھی نافرمانی کریں گے، اگر ہم بھی برا راستہ اختیار کریں گے تو جیسے اللہ نے پچھلی قوموں کو کسی عذاب میں مبتلا کر دیا اور انہیں اللہ نے مٹا دیا ایسے ہی ہمارے گناہوں پر، ہماری غلطیوں پر اور ہماری برائیوں پر اللہ ہمیں بھی سزا دے سکتا ہے اور ہمیں دوسرے لوگوں کے لیے عبرت اور نصیحت کا سامان بنا سکتا ہے۔

۶۔ گھریلو معاملات کے لیے:

قرآن مجید کے اندر اللہ رب العالمین نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ انسان جس گھر میں رہتا ہے اور جن لوگوں کے درمیان رہتا ہے تو اس گھر میں اور ان لوگوں کے درمیان رہ کر کے اسے کس طریقے کی زندگی گزارنا چاہیے، گھریلو معاملات کی تمام چیزیں اللہ نے تفصیل سے قرآن میں بیان کر دی ہیں، شادی شدہ زندگی کے مسائل، ماں باپ کے حقوق، اولاد کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، نکاح کے مسائل، مہر کے مسائل، وراثت کے مسائل اور گھریلو زندگی کے تمام معاملات اور مسائل کا اللہ نے قرآن کے اندر تذکرہ کر دیا ہے۔ تو قرآن ہماری ضرورت ہے کیوں؟ اس لیے تاکہ ہمیں گھریلو معاملات کی جانکاری حاصل ہو سکے اور ہم صحیح طریقے سے اپنے گھر والوں، رشتہ داروں اور دیگر تمام فیملی ممبران کے حقوق ادا کر سکیں۔

۷۔ حلال و حرام کی تمیز کر کے مال و دولت کے حصول کے لیے:

اللہ نے انسانوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ حلال کھائیں اور حلال کمائیں، حرام کمائی اور حرام مال سے دور رہیں اور قرآن کے اندر اللہ نے حلال کیا ہے حرام کیا ہے اس کی بہت حد تک وضاحت بھی کر دی ہے، اور حلال و حرام کی اہمیت کیا ہے ایک انسان کی زندگی میں بطور خاص ایک مسلمان کی زندگی میں کہ حلال مال ہی اللہ کے ہاں قبول ہوتا ہے اور حرام مال کھانے اور کمانے کی وجہ سے ایسے بندے کی عبادت اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتی ہے تو ایک مسلمان کے لیے حلال و حرام کی جانکاری حاصل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ وہ جو مال کما رہا ہے اس مال کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ تو قرآن ہماری ضرورت ہے کیوں؟ اس لیے تاکہ ہم حلال و حرام کی تمیز کر سکیں اور اس تمیز کے بعد ہمارے پاس جو مال آئے وہ مال حلال ہو حرام مال نہ ہو۔

۸۔ بیماروں اور بیماریوں کے علاج کے لیے:

قرآن یہ شفا ہے رحمت ہے اور اللہ نے اس چیز کا تذکرہ کئی جگہوں پر کیا ہے، جیسا کہ اللہ نے سورہ یونس کی ایک آیت میں بیان فرمایا کہ: ”اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت والی چیز آچکی ہے اور وہ چیز آچکی ہے جو بیمار دلوں کے لیے شفا اور علاج ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا ذریعہ ہے“۔ [یونس: ۵۷]

دوسری جگہوں پر اللہ رب العالمین نے اسی قسم کی اور باتیں بیان کی ہیں جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کی ایک آیت میں اللہ نے فرمایا: ”اور ہم نے قرآن میں جو کچھ نازل کیا ہے وہ شفا اور رحمت ہے مومنوں کے لیے“۔ [بنی اسرائیل: ۸۲]

مومنوں کو چاہیے کہ وہ اپنی بیماریوں اور اپنے بیماروں کا علاج قرآن مجید کے ذریعے کریں کیونکہ قرآن مجید مکمل شفا اور علاج ہے، تو قرآن ہماری ضرورت ہے کیوں؟ اس لیے تاکہ ہم اپنی بیماریوں اور اپنے بیماروں کا علاج کر سکیں۔

۹۔ جنت حاصل کرنے اور جہنم سے بچنے کے لیے:

یقیناً جنت میں ہر کوئی جانا چاہتا ہے اور جہنم سے بھی بچنا چاہتے ہیں لیکن جہنم سے کون بچ سکتا ہے اور جنت میں کس کا داخلہ ہوگا؟ یہ بات تقریباً مکمل طریقے سے قرآن مجید کے اندر اللہ نے بیان کر دیا ہے، آپ قرآن مجید پڑھیں تو جگہ جگہ آپ کو اس بات کا تذکرہ ملے گا کہ فلاں قوم اور فلاں مذہب والے کہتے ہیں کہ وہ جنت میں جائیں گے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ جنت میں جائیں گے، پھر آگے اللہ رب العالمین نے ذکر کیا ہے کہ جنت میں کون جائے گا اس کی

مکمل تفصیل اللہ نے بیان کر دی ہے کہ جنت میں کون جائے گا اور جہنم سے کس کو بچایا جائے گا، ساتھ ہی وہ تمام اعمال بھی ذکر کر دیئے ہیں اور وہ تمام راستے بتا دیئے ہیں جو جنت کی طرف لے جاتے ہیں اور جو جہنم سے بچاتے ہیں۔ تو قرآن ہماری ضرورت ہے کیوں؟ اس لیے تاکہ ہم جنت حاصل کرنے کے لیے جنت میں داخلہ دلانے والے اعمال کر سکیں اور جہنم سے ہم بچ سکیں اور جو اعمال جہنم میں لے جانے والے ہیں ان اعمال سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

۱۰۔ قیامت کی ہولناکیوں سے بچنے کے لیے:

قیامت پر ایمان رکھنا ایک مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے اور قیامت کی ہولناکیوں کا اللہ رب العالمین نے قرآن کے اندر تذکرہ کر دیا ہے کہ جب قیامت آئے گی تو اس وقت ماحول کیا ہوگا، اللہ نے ذکر کیا ہے، فرمایا: قیامت آئے گی تو دودھ پلانے والی عورت اپنے دودھ پیتے ہوئے بچے کو خود سے دور کر دے گی، حاملہ عورت اپنا حمل ساقط کر دے گی، سورج کو لپیٹ لیا جائے گا، ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے، پہاڑوں کو چلایا جائے گا، آسمان پھٹ جائے گا، زمین کو لپیٹ لیا جائے گا، زمین اور پہاڑ کو اٹھا کر آپس میں ٹکرا دیا جائے گا، سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گا اور آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی، اس قسم کی مزید اور مختلف باتیں اللہ نے قیامت کی ہولناکیوں سے متعلق ذکر کی ہیں، یقیناً قیامت کا معاملہ بڑا عجیب و غریب ہے، قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے اور ہر انسان کو اس مرحلے سے گزرنا ہے اس لیے قیامت کی ہولناکیوں سے بچنے کی تدبیر اختیار کرنا چاہیے اور قرآن اس حوالے سے مکمل تفصیل بتاتا ہے کہ قیامت کے ہولناکیوں اور پریشانیوں سے کون بچ سکتا ہے۔ تو قرآن ہماری ضرورت ہے کیوں؟ اس لیے تاکہ ہم اپنے آپ کو قیامت کی ہولناکیوں اور اس دن کی پریشانیوں سے بچا سکیں۔

خلاصہ:

محترم قارئین! یوں تو قرآن مجید ہماری زندگی کے ہر موڑ اور ہر گوشے کی بنیادی ضرورت ہے لیکن یہ چند باتیں بطور تذکیہ اور نصیحت کے پیش کر دی گئی ہیں تاکہ ہم قرآن کی اہمیت کو سمجھیں، اپنی زندگی میں اس کی ضرورت کو جانیں اور قرآن کی تلاوت کر کے اور اس کی باتوں پر عمل کر کے ہم وہ کامیابیاں اور وہ سعادتیں حاصل کر لیں جن کا وعدہ اللہ نے ہم سے کیا ہے کہ قرآن پڑھنے والے کو اتنے اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔

اللہ قرآن مجید کو ہمارے دلوں کی بہار بنا دے، ہمارے غموں کے خاتمے کا ذریعہ اور سبب بنا دے، ہماری پریشانیوں کا علاج بنا دے، ہماری آنکھوں کی روشنی بنا دے اور ہمیں قرآن مجید کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مسائل سحر و افطار

کفایت اللہ سنابلی

افطار کے مسائل:

افطار کا حکم:

افطار کرنا مستحب ہے واجب نہیں، صحابی رسول قیس بن صرمة الأنصاری رضی اللہ عنہ نے رمضان میں بغیر افطار و سحری کے دوسرے دن کا روزہ رکھا، آپ ﷺ سے اس کا تذکرہ ہوا لیکن آپ ﷺ نے قضاء کا حکم نہیں دیا اور نہ اسے غلط کہا۔ [صحیح البخاری: رقم: ۱۹۱۵]

افطار میں جلدی کرنا:

افطار میں جلدی کرنا چاہئے جیسا کہ حدیث ہے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ»
سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کے لوگوں میں اس وقت تک خیر باقی رہے گی، جب تک وہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے“ [صحیح البخاری: رقم: ۱۹۵۷]
لہذا جو لوگ احتیاط کے نام پر تاخیر کرتے ہیں درست نہیں، اللہ کے نبی ﷺ بھی افطار میں جلدی کرتے تھے۔
[صحیح مسلم: رقم: ۱۰۹۹۰]

صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«عَجَّلُوا الْفِطْرَ، فَإِنَّ الْيَهُودَ يُؤَخَّرُونَ»

”افطار میں جلدی کرو کیونکہ یہودی افطار میں تاخیر کرتے ہیں“ [ابن ماجہ: ۱۶۹۸، حسن]

افطار کی دعا (ذکر):

بِسْمِ اللَّهِ كِهْ كَرِ افْطَارِ كَرِ نَا چَا بْءِ، اس موقع پر پڑھے جانے والے یہ کلمات: ”اللَّهُمَّ لَكَ صُمْتُ، وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ“ [سنن أبی داؤد: ۲۳۵۸] اور اس جیسے دیگر اذکار و کلمات ثابت نہیں ہیں۔

سامان افطار:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ عَلَى رُطْبَاتٍ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطْبَاتٌ، فَعَلَى تَمْرَاتٍ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ“

”اللہ کے رسول ﷺ تازہ کھجوروں سے افطار کرتے تھے اگر یہ میسر نہ ہوتیں تو چھوہاروں سے افطار کرتے یہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پی لیا کرتے تھے“ [سنن أبی داؤد: رقم: ۲۳۵۶، صحیح]

مخلوط پانی یعنی شربت وغیرہ کا استعمال بھی درست ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے:

”يُفْطِرُ بِمَا تَيْسَّرَ مِنَ الْمَاءِ، أَوْ غَيْرِهِ“

”پانی وغیرہ جو چیز بھی پاس ہو اس سے روزہ افطار کر لینا چاہئے“ [صحیح البخاری: قبل الرقم: ۱۹۵۶]

پھر اس کے تحت ایک حدیث ذکر کی جس میں ہے: ”انزِلْ فَاجِدْ لَنَا“

”یعنی سواری سے اتر اور ہمارے (افطار) لیے ستو گھولو“ [صحیح البخاری: ۱۹۵۶]

جن چیزوں سے افطار ثابت نہیں:

نمک سے افطار کرنا ثابت نہیں، کسی بھی روایت میں اس کا ذکر نہیں۔
دودھ سے افطار کرنا بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور رہی یہ روایت:

”كان يستحب إذا أفطر أن يفطر على لبن، فإن لم يجد فتمر، فإن لم يجد حسا حسوات من

ماء“ [رواه ابن عساکر: ۲/۳۸۱/۱، والضياء فی المختارة: ۴۹۵/۱]

تو یہ ضعیف ہے۔ دیکھئے: [الضعیفہ: رقم: ۴۲۶۹]

آگ سے کچی ہوئی چیزوں سے افطار میں پرہیز ثابت نہیں، اور رہی یہ روایت:

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: ”كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ أَنْ يُفْطِرَ عَلَى ثَلَاثِ تَمْرَاتٍ أَوْ شَيْءٍ لَمْ

تُصْبَهُ النَّارُ“ [مسند أبی یعلیٰ الموصلی: ۵۹/۶]

تو یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ دیکھئے: [الضعیفہ: رقم: ۹۹۶]

تنبیہ: باجماعت نماز پڑھنے والے حضرات افطار میں کچی پیاز اور کچا لہسن استعمال نہ کریں کیونکہ جماعت کے لیے مسجد جانا ہوگا اور مسجد میں یہ چیزیں کھا کر آنا منع ہے۔

کچھ لوگ تمباکو نوشی کے عادی ہوتے ہیں، یہ چیز تو تمام اوقات میں ناجائز ہے لیکن افطار میں اس کے استعمال سے اس کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس کی بدبو پیاز اور لہسن کی بدبو سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہے۔

غیر مسلم کی طرف سے افطار:

اگر غیر مسلم حلال اور پاک چیز افطار کے لیے بھیجے تو جس طرح اس کی عام دعوت قبول کرنا جائز ہے اسی طرح اس

کی افطار کی دعوت بھی قبول کرنا جائز ہے، لیکن سیاسی افطار پارٹیوں کا معاملہ الگ ہے اس میں بڑی قباحتیں ہیں اس لیے اس سے پرہیز ہی بہتر ہے خواہ یہ نام نہاد مسلمانوں ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو۔

افطار کے بعد ذکر:

افطار کے بعد درج ذیل کلمات پڑھنا چاہئے:

”ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ العُرُوقُ، وَثَبَتَ الأَجْرُ إِن شَاءَ اللّهُ“

”پیاس بجھ گئی، رگیں تر ہو گئیں، اور اللہ نے چاہا تو اجر بھی ثابت ہو گیا“ [سنن ابی داؤد: ۲۳۵۷، صحیح]

سحری کے مسائل:

سحری کی برکت:

اللہ کے نبی ﷺ نے ایک حدیث میں سحری کو باعثِ برکت قرار دیا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي

السَّحُورِ بَرَكَةٌ“ [صحیح البخاری: رقم: ۱۹۲۳]

صحابی رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”سحری کیا کرو کیونکہ سحری

میں برکت ہے“

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے اسے ”الغداء المبارک“، ”با برکت کھانا کہا ہے“ [ابو داؤد:

۲۳۴۴، حسن]

ایک اور حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں: ”إِنَّهَا بَرَكَةٌ أَعْطَاكُمْ اللّهُ إِيَّاهَا فَلَا تَدْعُوهُ“، ”یہ سحری

برکت ہے، تمہارے رب کی طرف سے عطیہ ہے اس لیے اسے نہ چھوڑو“ [النسائی: ۲۱۶۲، وصححه الالبانی]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ برکتِ سحری کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ اس میں سنت کی پیروی ہے۔ ۲۔ اہل کتاب کی مخالفت ہے۔ ۳۔ اس سے عبادت پر قوت حاصل ہوتی

ہے۔ ۴۔ چستی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ۵۔ بھوک کی وجہ سے متوقع بد خلقی سے نجات مل جاتی ہے۔ ۶۔ اگر سحری

کے وقت کوئی سائل آجائے تو صدقہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ ۷۔ قبولیتِ دعا کے اوقات میں ذکر و دعا کا موقع

مل جاتا ہے۔ ۸۔ شام کو کوئی روزہ کی نیت کرنا بھول گیا تو اسے نیت کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ [فتح الباری لابن

حجر: ۱۴۰/۴]

سحری کی فضیلت:

سحری یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے، پہلی امتوں پر روزے تو فرض تھے مگر انہیں سحری کی سہولت میسر نہیں تھی، اللہ کے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

”فَصُلِّ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ، أَكَلَةُ السَّحْرِ“

”یعنی ہمارے روزوں اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق سہری کھانا ہے“ [صحیح مسلم: رقم: ۱۰۹۶]

بعض روایت میں آتا ہے کہ سحری کرنے والے پر اللہ اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے اور فرشتے دعائیں کرتے ہیں، لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ (مسند احمد وغیرہ)۔

سحری کا حکم:

سحری کھانا مستحب ہے، واجب نہیں ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے ”باب بركة السحور من غير إيجاب، لأن النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه واصلوا، ولم يذكروا السحور“

”یعنی سحری کھانا باعث برکت اور مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ نبی کریم اور آپ ﷺ کے اصحاب نے پے در پے

روزے رکھے اور ان میں سحری کا ذکر نہیں ہے“ [صحیح البخاری: قبل الرقم: ۱۹۲۲]

صحابی رسول قیس بن صرمة الأنصاري رضي الله عنه نے رمضان میں بغیر افطار و سحری کے دوسرے دن کا روزہ رکھا،

آپ ﷺ سے اس کا تذکرہ ہوا لیکن آپ ﷺ نے قضا کا حکم نہیں دیا۔ [صحیح البخاری: رقم: ۱۹۱۵]

امام نووی فرماتے ہیں: ”وَأَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى اسْتِحْبَابِهِ وَأَنَّهُ لَيْسَ بِوَاجِبٍ“

”یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ سحری واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے“ [شرح النووی علی مسلم: ۲۰۶/۷]

سحری کا مستحب وقت:

سحری تاخیر سے کرنا چاہئے، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

تسحرنا مع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم قام إلى الصلاة، قلت: كم كان بين الأذان

والسحور؟ قال: ”قدر خمسين آية“

نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم نے سحری کھائی، پھر آپ ﷺ صبح کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ میں نے پوچھا کہ

سحری اور اذان میں کتنا فاصلہ ہوتا تھا تو انہوں نے کہا: ”کہ پچاس آیتیں (پڑھنے) کے موافق فاصلہ ہوتا تھا“

[صحیح البخاری: رقم: ۱۹۲۱]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”فِيهِ الْحَثُّ عَلَى تَأْخِيرِ السُّحُورِ إِلَى قُبُلِ الْفَجْرِ“

”اس حدیث میں تاکید ہے کہ سحری کو موخر کر کے فجر سے کچھ دیر قبل کھانا چاہئے“ [شرح النووی علی مسلم: ۲۰۸/۷]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

”إِنَّا مَعَشَرُ الْأَنْبِيَاءِ أَمْرُنَا أَنْ نُوَخَّرَ سَحُورَنَا، وَنَعَجَلَ فِطْرَنَا، وَأَنْ نَمْسِكَ بِأَيْمَانِنَا عَلَى شِمَائِلِنَا فِي صَلَاتِنَا“

”یعنی ہم انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم سحری دیر سے کریں اور افطار میں جلدی کریں اور نماز میں دائیں ہاتھ سے

بائیں ہاتھ کو پکڑے رہیں“ [صحیح ابن حبان: ۶۷۱۵، رقم: ۱۷۷۰]

متنبیہ: اگر دیر سے سحری کرتے ہوئے کبھی بکھار اذان شروع ہو جائے تو کھانا فوراً چھوڑنے کے بجائے اسے ختم

کر کے اٹھنا چاہئے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

”إِذَا سَمِعَ أَحَدُكُمْ النِّدَاءَ وَالْإِنَاءَ عَلَى يَدِهِ، فَلَا يَضَعُهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ“

”یعنی تم میں سے جب کوئی (فجر) کی اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اسے رکھے نہیں بلکہ اپنی ضرورت

پوری کر لے“ [سنن أبی داؤد: ۲۳۵۰، وصححه الالبانی]

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احتیاط کے نام پر تمام لوگوں کو پانچ دس منٹ پہلے ہی سحری سے روکنا غلط ہے۔

سحری میں کھانے کی چیزیں:

سحری میں کھجور کھانا مستحب ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ”نَعْمَ

سحور المؤمن التمر“ [أبو داؤد: ۲۳۴۵، وصححه الالبانی]

اس کے علاوہ جو بھی حلال رزق میسر ہو کھا سکتے ہیں، اگر کچھ بھی مہیا نہ ہو سکے تو ایک گھونٹ پانی پی ہی لینا چاہئے،

صحابی رسول عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”تَسْحَرُوا وَلَوْ بِجُرْعَةٍ مِنْ مَاءٍ“

”سحری کرو خواہ ایک گھونٹ پانی ہی سے کیوں نہ ہو“ [صحیح ابن حبان: ۳۴۷۶]

متنبیہ: اگر باجماعت نماز پڑھنے والے حضرات سحری تاخیر سے کریں تو اس میں کچی پیاز اور کچا لہسن استعمال نہ

کریں کیونکہ جماعت کے لیے مسجد جانا ہوگا اور مسجد میں یہ چیزیں کھا کر آنا منع ہے۔

کچھ لوگ تمباکو نوشی کے عادی ہوتے ہیں، یہ چیز تو تمام اوقات میں ناجائز ہے لیکن سحری میں اس کے استعمال سے

اس کی قباحت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ اس کی بدبو پیاز اور لہسن کی بدبو سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہے۔

روزہ کا معنی و مفہوم، حکمت، و فوائد اور چند مشہور غلطیاں

محمد محبت اللہ بن محمد سیف الدین الحمدی بہار

عربی لغت میں روزہ کو ”الصوم“ کہتے ہیں جو باب صام یصوم وصیاما سے مصدر ہے۔ اس لفظ کا مادہ ص۔ و۔ م اور صوم کا لغوی معنی ہے ”کام سے رُک جانا“ کسی جگہ پر ٹھہر جانا۔ کھانے پینے، گفتگو کرنے اور چلنے سے رک جانے کو بھی صوم کہتے ہیں۔ لغوی معنی کے لحاظ سے ”صوم“ کا اطلاق صرف روزے پر ہی نہیں ہوتا بلکہ عربی میں کہتے ہیں۔ ”صامت الریح“ ”ہوا تھم گئی“۔ ”صام النهار“ ”ظہر کا وقت ہو گیا“ (کیونکہ اس وقت آفتاب نصف النہار پر رکا ہوتا ہے)۔ اسی سے ”صامت الشمس“ بھی کہا جاتا ہے یعنی سورج نصف النہار پر مرکوز ہے۔ لہذا ”صوم الصائم“ سے مراد کھانے پینے اور ان تمام امور سے باز آ جانا ہے جن سے منع کیا گیا ہو۔ گفتگو سے رک جانے کو بھی ”صوم“ ہی کہتے ہیں۔ سورہ مریم میں ہے:

﴿فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا﴾

”کہ بے شک میں نے خدا کی رضا کی خاطر چپ کا روزہ رکھا ہے“۔ [مریم: ۲۶]

اور ساتھ ہی تشریح اور توضیح بھی کر دی: ﴿فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا﴾

”کہ میں آج کسی انسان سے بات نہ کروں گی“۔

قرآن مجید ہی سے ثابت ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا وہ روزہ کھانے پینے سے رُک جانے کا نہ تھا کیوں کہ اس سے پہلے خود رب سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے انہیں حکم ہوا تھا:

﴿فَكَلِمِي وَاشْرَبِي﴾ ”کجھوریں کھا اور چشمے کا پانی پی“۔ ہاں اگر کوئی آدم زاد آئے تو کہہ دینا میں نے رب کی رضا

کے لیے چپ کا روزہ رکھا ہے۔

عربی میں بعض اوقات ”قائم“ کو ”صائم“ بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ وہ اپنی جگہ پر ساکت ہوتا ہے۔ نابغہ ذبیانی کا ایک شعر ”صوم“ کے اس لغوی معنی کو واضح کرتا ہے:

حَيْلٌ صِيَامٌ وَ حَيْلٌ غَيْرُ صَائِمَةٍ تَحْتَ الْعِجَاجِ وَ حَيْلٌ تَعْلُكُ اللَّحْمَا

”غبار جنگ کے سائے تلے کچھ گھوڑے ثابت قدم (صائم) ہیں اور کچھ گھوڑے حرکت کرتے ہوئے (غیر

صائمہ) اپنی لگاموں کو چبار ہے ہیں“۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ منبج ہوا کہ صوم کا لغوی معنی ہے ”کام سے رک جانا“ خواہ وہ کسی نوعیت کا ہو۔

اصطلاح شریعت میں صوم کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے: ”الإمساك عن المفطرات مع النية، من

طلوع الفجر إلى غروب الشمس“.

”یعنی طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک تمام مفطرات سے اس طرح رک جانا کہ (مکمل روزے کی) نیت

شامل حال رہے“۔ بحوالہ: [تیسیر العلام شرح عمدة الأحكام، کتاب الصیام، ص: ۳۱۲]

روزہ کب فرض ہوا؟

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو ہر نبی اور اس کی امت پر فرض کی گئی، کوئی امت روزہ کی فرضیت سے خالی نہیں رہی،

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [۱۸۳] اس کی دلیل ہے۔

امام مجاہد کا قول ہے: ”كتب الله عز وجل صوم شهر رمضان على كل امة“.

”یعنی اللہ تعالیٰ نے رمضان کا روزہ ہر امت پر فرض کیا تھا“ [تفسیر قرطبی: ۶۵۱/۱]

اللہ تعالیٰ نے سابقہ تمام امتوں پر روزہ فرض قرار دینے کی خبر ہمیں اس لیے دی تاکہ ہماری نظروں میں اس کی

اہمیت اور قدر و منزلت مزید بڑھ جائے، مزید شوق و رغبت پیدا ہو جائے، نیز یہ کہ روزہ آسان لگنے لگے، کیونکہ کوئی بھی

مشکل چیز جب عمومیت اختیار کر جائے تو وہ آسان ہو جاتی ہے۔ ”اذا عمت البلوى طابت“.

ہمارے روزے کو سابقہ اقوام کے روزے سے تشبیہ دینا باعتبار اصل و وجوب ہے، یعنی جس طرح سابقہ اقوام پر

روزہ فرض تھا اسی طرح ہم پر بھی فرض ہے یہ تشبیہ باعتبار کیفیت صوم نہیں ہے، کیونکہ ہمارے اور سابقہ اقوام کے روزہ

کی کیفیت میں فرق تھا، جیسا کہ ابن عاشور نے فرمایا:

”فَحَصَلَ فِي صِيَامِ الْإِسْلَامِ مَا يُخَالَفُ صِيَامَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى فِي قِيُودِ مَا هِيَ الصِّيَامِ

وَكَيْفِيَّتِهَا، وَلَمْ يَكُنْ صِيَامُنَا مُمَاتِلًا لِصِيَامِهِمْ تَمَامَ الْمُمَاتِلَةِ“

”اسلام کے روزے کی کیفیت یہود و نصاریٰ کے روزے سے بالکل الگ ہے ہمارے روزے ان کے

روزے کے مماثل نہیں ہیں۔ چنانچہ ان کا روزہ عشاء کی نماز سے شروع ہو کر غروب آفتاب تک جاتا، جبکہ ہمارا

روزہ ابتداء فرضیت میں اسی طرح تھا لیکن پھر اللہ نے آسانی پیدا فرماتے ہوئے طلوع فجر سے غروب آفتاب تک

مقرر فرمادیا“۔

سابقہ اقوام نے اپنے روزہ کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا، چنانچہ یہودیوں نے رمضان المبارک کی جگہ روزے کے

لیے پورے سال کا صرف ایک دن مقرر کر لیا، جو ان کے زعم میں فرعون کے غرق ہونے کا دن تھا، جبکہ عیسائیوں نے جب یہ دیکھا کہ رمضان المبارک تو شدید گرمی کے موسم میں آتا ہے تو انہوں نے قمری مہینہ کی جگہ ایک ایسا سٹشی مہینہ تجویز کر لیا جو ہمیشہ موسم بہار میں آئے۔

اس لحاظ سے امت محمدیہ بے شمار آفرین اور شاباش کی مستحق ہے کہ جس نے سابقہ اقوام کی روش کے بالکل برعکس روزے کا حق ادا کر دیا، اور کسی بھی مقام پر کسی بھی موسم کی شدت یا روزے کی طوالت ان کے آڑے نہ آسکی اور نہ ہی کسی قسم کی رکاوٹ بن سکی (فللہ الحمد والمنة)۔

امت محمدیہ پر روزہ کب فرض ہوا؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ اور ان کی امت پر ۲ھ میں روزہ فرض فرمایا، گویا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے پندرہویں سال روزے کی فرضیت نازل ہوئی، اور رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ و مبارکہ میں نو مرتبہ رمضان کا مہینہ آیا۔

روزے کی فرضیت میں اس قدر تاخیر کا سبب بیان کرتے ہوئے علامہ جمال الدین القاسمی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”وَلَمَّا كَانَ فَطْمُ النَّفْسِ عَنْ مَالُوْفَاتِهَا وَشَهْوَاتِهَا مِنْ أَشَقِّ الْأُمُورِ وَأَصْعَبِهَا، تَأَخَّرَ فَرَضُهُ إِلَى وَسْطِ الْإِسْلَامِ بَعْدَ الْهَجْرَةِ، لَمَّا تَوَطَّنَتِ النَّفُوسُ عَلَى التَّوْحِيدِ وَالصَّلَاةِ، وَأَلْفَتْ أَمْرَ الْقُرْآنِ، فَنُقِلَتْ إِلَيْهِ بِالتَّدرِيجِ. وَكَانَ فَرَضُهُ السَّنَةَ الثَّانِيَةَ مِنَ الْهَجْرَةِ. فَتَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَقَدْ صَامَ تِسْعَةَ رَمَضَانَاتٍ“۔ [محاسن التاویل: ۴۱۶/۳]

چونکہ کھانا پینا اور دیگر شہوات کا ترک لوگوں کے لیے انتہائی مشکل اور دشوار کن امر ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے (ازراہ شفقت و محبت) روزے کی فرضیت کو ہجرت کے بعد تقریباً وسط اسلام تک مؤخر رکھا، چنانچہ لوگوں کے نفوس اور طبائع عقیدہ توحید اور اقامتِ صلاہ پر پختہ ہو گئے، اور وہ اوامرِ قرآن سے خوب مانوس و مالوف ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے روزہ کی فرضیت نازل فرمادی، اور اس میں بھی تدریج کا پہلو پسند فرمایا (تاکہ اس عظیم عبادت کی ادائیگی میں کسی سستی و کوتاہی کا مظاہرہ نہ ہونے پائے) (دیکھئے تفصیل کیلئے: محاسن التاویل للقاسمی، التحریر والتویر لابن عاشور، وروزہ حقیقت و ثمرات صفحہ نمبر: ۲۳ تا ۱۸)

محترم قارئین! روزہ ایک عظیم عبادت ہے، رمضان المبارک کا روزہ تیسرا رکن ہے ارکانِ اسلام میں سے، روزہ افضل عبادات میں سے اس لیے ہے کہ روزہ میں صبر کی تینوں انواع و اقسام (طاعت و بندگی پر صبر کرنا، معصیت کے کا

کام میں مبتلا نا ہونے پر صبر کرنا، اور قضاء و قدر پر صبر کرنا) جمع ہو جاتی ہیں۔
روزہ کے حکم و مقاصد:

علماء کرام نے روزہ کی بہت سی حکمتیں بیان فرمائی ہیں، لیکن سب سے بڑی حکمت اور سب سے ارفع و اعلیٰ مقصد وہ ہے جس کا اللہ رب العزت نے اپنے مقدس کلام میں ذکر فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

ترجمہ: ”اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر (صوم) فرض کیا گیا تھا

تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو“ [البقرة: ۱۸۳]

اس آیت میں روزہ کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ یہ تقویٰ کا باعث ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ روزہ دوسری تمام عبادات سے بوجہ منفرد ہے، کہ یہ رب اور بندے کے درمیان راز و نیاز کا معاملہ ہے جبکہ دوسری تمام عبادات مثلاً نماز، حج اور قربانی وغیرہ ظاہری عبادات ہیں جو ظاہری حرکات و سکنات سے بے نیاز ہونے کے باعث ریا جیسی بیماری سے جو کہ بڑی بڑی عبادتوں پر پانی پھیر سکتی ہے۔ محفوظ و مامون ہے اس لیے کہ روزہ دار کے روزہ کی حقیقت (کہ وہ روزے سے ہے یا نہیں) رب تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر ایک آدمی وضو کرتے ہوئے تین دفعہ کلی کرتا ہے۔ اس وقت پانی اس کے منہ میں ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو اس پانی کا اکثر حصہ اپنے حلق میں اتار سکتا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کی اس حرکت کو نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن ایک چیز اسے پانی کا ایک قطرہ بھی شدید پیاس کے باوجود حلق میں پانی اتارنے سے باز رکھتی ہے اور یہ چیز رب کریم کا خوف ہے جس کا دوسرا نام تقویٰ و خشیت الہی ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اپنی خواہش پر اس نے غلبہ پالیا اور یہ تقویٰ (خواہشات پر کنٹرول) انسان کی ساری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے، مثلاً اگر وہ دوکاندار ہے تو میزان میں کمی بیشی کا مرتکب نہ ہوگا، اگر کپڑے کا تاجر ہے تو ماپ میں ہیرا پھیری کی خواہش کا گلا گھونٹ دے گا، اگر کسی میڈیکل ہال کا مالک ہے تو دواؤں پر ناجائز منافع حاصل کر کے حصول زر کی خواہش کا احترام نہ کرے گا اور اگر ڈاکٹر ہے تو غلط انجکشن یا بے ضرورت دواؤں کا اضافہ نہیں کرے گا و علیٰ ہذا القیاس روزہ انسان کے نفس کی اس طرح سے تربیت کرے گا کہ ہر لمحہ خوفِ خدا اس کو گناہوں سے باز رکھے گا اور رضائے الہی کا حصول اس کا مقصد و مطلوب ہوگی جو خداوند کریم سے اس کی قربت کا باعث بنے گی۔

محترم قارئین! جسدِ انسانیت سے مادیت کے طوفانِ ہر آن اُٹھتے رہتے ہیں اگر ان طوفانوں کے سامنے بند نہ باندھا جائے تو یہ خاکی بدن ہوئی و ہوس کا مظہر بن کر رہ جائے، خواہشاتِ نفسانی اس قدر سرکش اور غالب ہو جائیں کہ

انسان ان پر کنٹرول نہ کر سکے۔ اور شہوات و شہوات کے دام فریب میں پھنس جائے، لہذا رب کریم نے ضبطِ نفس اور مادیت کے غلبے سے بچانے کے لیے روزہ جیسے عظیم عبادت کا انعام سے عطا فرمایا تاکہ اس کی روح اور جسم میں توازن برقرار رہے اور نفسِ انسانی مطیع و فرمانبردار ہو کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی یاد میں لگن رہے۔

شیخ ابو عبد الرحمن عبد اللہ البسام نے ”تیسیر العلام شرح عمدة الاحکام: صفحہ نمبر ۳۱۲ کتاب الصیام“ میں انتہائی جامعیت کے ساتھ روزہ کی دینی، اجتماعی، اخلاقی اور صحتِ انسانی کے متعلق کچھ حکمتیں بیان فرمائی ہیں، انہی کے نفیس کلام کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے۔

روزہ کی بلند ترین حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان عبادت ہے، چنانچہ روزہ شہوت کے بادشاہ کی مخالفت کر کے یا کہیے کہ غلبہ شہوت کا قلع قمع کرتے ہوئے مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ نفسِ انسانی جب خوب سیر ہو تو اسے مستی جو جھتی ہے

﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّاظٍ ۚ إِنَّ رَأَاهُ اسْتَغْنَىٰ﴾

”سچ سچ انسان تو آپ سے باہر ہو جاتا ہے، اس لیے کہ وہ اپنے آپ کو بے پرواہ (یا تو نگر) سمجھتا ہے“ [العلق: ۶، ۷] لیکن روزہ رکھ کر انسان جب بھوک اور پیاس کی شدت کی بنا پر اپنے عجز و ضعف کو ملاحظہ کرتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ نفس کے کبر اور بڑائی کی تو کوئی حقیقت نہیں، نتیجہً وہ اپنے رب کے لیے بھی مسکین و رقیق القلب ہو جائے گا، اور مخلوقات کے لیے بھی نرم دل۔

روزہ کی اجتماعی حکمت یہ ہے کہ پوری خلق ایک ہی وقت میں ایک عبادت پر مجتمع ہوتی ہے، چنانچہ خواہ کوئی طاقت ور ہو یا کمزور، شریف ہو یا وضع، مالدار ہو یا فقیر سبھی کو ایک ساتھ ہی روزہ شروع کرنا ہے اور ایک ہی وقت میں افطار کرنا ہے، تمام کو یکساں بھوک اور پیاس کی تکلیف کو جھیلنا ہے اور صبر کرنا ہے، یہ چیز قلوب و ارواح میں باہمی ربط، الفت اور محبت پیدا کرنے کا عظیم سبب بن جائے گی، لوگ ایک دوسرے کے ساتھ شفقت و رحمت کا برتاؤ کریں گے، بالخصوص مال دار کہ جنہیں بھوک اور پیاس برداشت کر کے معاشرہ کے غریب، تباہ حال اور پسے ہوئے اپنے بھائیوں کی بھوک اور پیاس کا احساس ہوگا، وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہوگا کہ وہ بھوک اور پیاس جسے اس نے صرف ایک ماہ مشکل سے برداشت کیا، اس کا غریب بھائی اور اس کا پورا کنبہ پورا سال برداشت کرتا اور جھیلتا ہے، اس سے یقیناً اس کے دل میں سخاوت و فیاضی کا احساس ہوگا، دلوں کی تفریق، حسد و بغض، عداوت اور رنجش دور ہوں گی، ان کی جگہ محبت اور بھائی چارہ کی فضا استوار ہوگی، نتیجہً تمام طبقاتِ انسانی میں وہ سلامتی رائج ہو جائے گی جو دینِ اسلام کو

مطلوب ہے۔

روزہ کی اخلاقی و تربیتی حکمت یہ ہے کہ صبر و تحمل کا درس دیتا ہے، عزیمت و ارادہ کو قوت و استحکام بخشتا ہے، مشکل و مصائب کا حملہ ہو تو خندہ پیشانی سے جھیلنے بلکہ ان کا مقابلہ کر کے انہیں زیر کرنے کی ٹریننگ دیتا ہے۔

روزہ صحتِ انسانی کے تعلق سے بڑی پر حکمت عبادت ہے، ”فإن المعدة بيت الداء، والحمية رأس الدواء“، ”یعنی انسان کا معدہ بیمار یوں کا گھر ہے اور پرہیز (خلو معدہ) تمام دواؤں و علا جوں کا سردار ہے“، معدے کو آرام و راحت کا وقفہ چاہئے، کیونکہ ہمیشہ اور مسلسل کھانے پینے کی وجہ سے وہ بُری طرح تھکاوٹ کا شکار ہو جاتا ہے، لہذا اس طویل ترین مشقت کے بعد اسے اس کے آرام کا مکمل حصہ دستیاب ہونا چاہئے تاکہ وہ استراحت کے اس وقفہ میں جسم سے زائد فضلات اور فاسد مادوں کو نکال باہر کرے اور جہاز ہاضمی وغیرہ کو رواں دواں کرے۔ دیکھئے تفصیل کیلئے: [تیسیر العلام شرح عمدۃ الأحکام: ۳۱۲-۳۱۳]

روزہ سے مقصود فاقہ کرنا نہیں یا اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا نہیں ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں: ”کہ روزہ کے حکم سے یہ مقصود نہیں ہے کہ انسان کا فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف و مشقت میں ڈالنا بلکہ تمام تر مقصود نفسِ انسانی کی اصلاح و تہذیب ہے، روزہ کے رکھنے سے تم میں پرہیزگاری کی قوت پیدا ہوگی اور نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کا سبق سیکھ لو گے“۔ بحوالہ: [ترجمان القرآن: ۳۰۸/۱]

علامہ ابن القیم جوزیہ روزہ کی سریت و مقصدیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں

”للمصوم تأثيرٌ عجيب في حفظ الجوارح الظاهرة والقوى الباطنة، واستفراغ المواد الرديئة المانعة لها من صحتها، فالصوم يحفظ على القلب والجوارح صحتها ويعيد إليها ما استلبته منها أيدي الشهوات، فهو من أكبر العون على التقوى“

”روزہ جوارحِ ظاہری اور قوائے باطنی کی حفاظت میں بڑی حیرت ناک تاثیر رکھتا ہے، فاسد مادہ کے جمع ہو جانے سے انسان میں جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے، جو چیزیں مانعِ صحت ہیں ان کو خارج کر دیتا ہے اور اعضاء و جوارح میں جو خرابیاں ہوس کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں وہ اس سے دفع ہوتی ہیں۔ وہ صحت کے لیے مفید اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے میں مدد و معاون ہے“۔ [زاد المعاد لابن القیم: ۳۵/۲]

دکتر فضل الرحمان المدنی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ”طبی، اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے بھی روزہ کے بہت سے فوائد ہیں، اس سے مالداروں کو غریبوں کے فقر و فاقہ اور بھوک و پیاس کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور صدقہ و خیرات کی

ترغیب ہوتی ہے پیٹ اور بلڈ پریشر وغیرہ کے مریضوں کے لیے بھی روزہ مفید ہے، سال بھر خوب شکم سیر ہو کر کھانے سے جو فاسد مادے پیٹ اور جسم کے دوسرے حصوں میں جمع ہو جاتے ہیں اس سے احتساب نفس اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدہ و یقین کو بھی جلاء ملتی ہے۔ بحوالہ: (نعمۃ المنان: جلد سوم: صفحہ نمبر ۱۳۹)

علامہ صالح الفوزان اپنی کتاب ”المخلص الفقہی“ میں روزہ کی کچھ مزید حکمتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”یعنی روزہ کو مشروع قرار دینے کی حکمت تزکیہ نفس ہے، نیز اسے ردی اخلاط اور رذیل اخلاق سے پاک کرنا بھی مقصود ہے، کیونکہ شیطان تو انسان کی رگوں میں گردش کرتا ہے اور روزے سے (کھانا نہ کھانے کی وجہ سے) رگوں میں تنگی پیدا ہوتی ہے جس سے گویا شیطان کا راستہ تنگ ہو جاتا ہے، جبکہ بسیار خوری رگوں کی کشادگی کا باعث ہے، جو شہوات کی وسعت، ارادے کے ضعف اور عبادت میں قلتِ رغبت پر منتج ہوتی ہے، روزہ سے انسان ان تمام منفی عوارض سے محفوظ رہتا ہے، بلکہ روزہ انسان کو زاہد بنا دیتا ہے اور آخرت کی رغبت بڑھا دیتا ہے“۔ (المخلص الفقہی: مہ، منقول از کتاب روزہ حقیقت و ثمرات صفحہ نمبر: ۲۸)

روزے کے مادی اور روحانی فوائد:

معزز قارئین! اسلامی عبادات میں ظاہری اور باطنی ہر قسم کی طہارت، نفاست و پاکیزگی کا التزام ہر جگہ موجود ہے۔ نماز اگر آئینہ دل کو مچلی اور مصفیٰ کرتی ہے تو وضو جسمانی طہارت اور پاکیزگی کے لیے نماز کی اولین شرط قرار پایا۔ اسی طرح اگر عورت کو نقاب اوڑھنے کا حکم دیا تو ساتھ قید بھی لگائی:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ﴾

”کہ اے رسول ﷺ! مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں“۔

اور یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جس عورت کی نگاہ عصمت و عفت اور فطری حیا سے خالی ہے۔ اس کے لیے اگر لاکھ نقابوں کا اہتمام بھی کر لیا جائے تو وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جس کے لیے ”یغضضن من ابصارھن“ کی ضرورت پیش آئی۔

روزہ بھی اس حکمت سے خالی نہیں۔ روزہ سے جہاں انسان کی باطنی طہارت اور روحانی صحت کا التزام کیا گیا ہے وہاں اس کی جسمانی صحت اور نظام انہضام کی خرابیوں کا علاج بھی اس میں موجود ہے۔

پھر یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ کثرت خوری اور وقت بے وقت کھانا معدے کی امراض کا موجب ہیں۔ اس سے جسمانی نشوونما صحیح طریق پر نہیں ہوتی بلکہ غیر متناسب غذا اور کھانے کے غیر متعین اوقات کی بدولت اکثر لوگ لپ

قبر پہنچ جاتے ہیں۔ سال بھر کی ان بے قاعدگیوں کو روکنے اور صحت و تندرستی کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے یہ لازم تھا کہ انسانوں کو تیس روز تک پابند کیا جاتا کہ وہ متعینہ وقت پر کھائیں، پیئیں اور مقررہ وقت کے بعد کھانے پینے سے ہاتھ کھینچ لیں۔ یہ کیسی حکمت ہے کہ عبادات کے ساتھ ساتھ انسان جسمانی صحت بھی حاصل کرتا ہے اور روح کی بالیدگیوں کے ساتھ ساتھ اس کی جسمانی صحت بتدریج کمال حاصل کرتی جاتی ہے۔ تجربہ شہادہ ہے کہ رمضان میں اکثر لوگوں کی جسمانی بیماریاں محض کھانے کے اوقات کی پابندی کی بنا پر خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے مفسرین اور ائمہ مجتہدین نے روزے کی دوسری حکمتوں کے ضمن میں حکمتِ صحتِ جسمانی کا ذکر بھی کیا ہے۔

بسیار خوری سے مادیت کا غلبہ بڑھتا ہے اور شہوانی جذبات حملہ آور ہوتے ہیں۔ روزے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ دن بھر بھوکے پیاسے رہنے سے جسمانی اعضاء میں کچھ کمزوری آجاتی ہے جس سے شہوانی جذبات کے حملے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ بھوک اور پیاس جنسی جذبات کی براہِ سختی کو کچل دیتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ”الصوم جنة“ ”کہ روزہ ڈھال ہے“۔

اس سے مراد صرف یہی نہیں کہ یہ صرف دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے بلکہ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ روزہ جنسی ہیجان نیز مادی اور روحانی ہر قسم کی بیماریوں کے لیے ڈھال ہے اس طرح کہ بھوک پیاس اس کی جنسی خواہشات کو دبا کر اسے خداوند کریم کی طرف راغب کرتے ہیں۔ بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے:

”يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحفظ للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإن له وجاء“

”کہ اے نوجوانو! تم میں سے جسے نکاح کرنے کی توفیق ہو اسے چاہئے کہ ضرور نکاح کرے، کیونکہ نکاح شرم و حیا اور شرمگاہ کی حفاظت کے لیے سب سے زیادہ مفید ہے اور جس نوجوان کو نکاح کی استطاعت نہ ہو اسے لازم ہے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ جنسی ہیجان کا تدارک کرتا ہے“۔

تین طرح کے روزہ دار:

علامہ ابن القیم اللجوزیہ رحمہ اللہ نے روزے کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں:

(۱) عام لوگوں کا روزہ۔ (۲) خاص لوگوں کا روزہ۔ (۳) خاص الخاص لوگوں کا روزہ۔

عام لوگوں کا روزہ صرف پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات اور شہوات سے بچاؤ کا نام ہے۔

خاص لوگوں کا روزہ پیٹ اور شرمگاہ کی خواہشات و شہوات سے بچاؤ کے ساتھ ساتھ، نگاہ، زبان ہاتھ پاؤں، کان

اور دیگر اعضاء کو ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رکھنے کا نام ہے۔

جبکہ خاص الخاص لوگوں کا روزہ یہ ہے کہ مذکورہ تمام امور کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے قلب کو بھی اس قدر محفوظ بنالیں کہ اس میں ایسے افکار و خیالات کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے یا دور کرنے کا سبب بن جائیں۔

اب ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو چیک کریں، صرف دوسرے پر تبصرہ ہی نہ کریں بلکہ کبھی کبھی اپنے آپ کا بھی حساب کتاب کریں کہ آپ ہم مذکورہ بالا قسموں میں سے کس قسم میں آتے ہیں۔ دیکھئے تفصیل کیلئے: (روزہ حقیقت و ثمرات، رمضان المبارک مقاصد، نتائج، رمضان المبارک فضائل، فوائد و ثمرات وغیرہ)

روزہ اور ہمارا طرز عمل:

رمضان المبارک کا روزہ جن مقاصد حسنہ کی تحصیل کے لیے فرض کیا گیا تھا، ہمارے سلف صالحین نے روزہ کے آداب و واجبات اور مستحبات کی رعایت کر کے ان مقاصد کو پورے طور پر حاصل کیا۔ وہ حضرات دن کو روزہ رکھتے تھے اور راتوں کو ذکر و فکر اور نماز و تلاوت اور قرآن کی تفسیر و تشریح کو سمجھنے میں مشغول رہتے تھے اور رمضان المبارک کے ایک ایک لمحہ کو اللہ کی عبادت میں گزارتے تھے، وہ اپنی زبانوں کو بیہودہ گوئی سے بند رکھتے تھے اور کانوں کو لغو اور فحش باتوں کے سننے سے محفوظ رکھتے تھے، ان کی آنکھیں حرام چیزوں کی طرف قطعاً نہیں اٹھتی تھیں۔ اس طرح ان کے تمام اعضاء روزہ سے رہتے تھے، لیکن آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اس مبارک مہینہ کو بھی دیگر مہینوں کی طرح ضائع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اس لیے فرض کیا تھا کہ اس کے ذریعہ روح و قلب کو فائدہ پہنچے، ایمان میں تازگی آئے، محاسبہ کرنے کی عادت بنے، مگر ہم نے روزہ کو پیٹ اور معدہ کو پر کرنے کا مہینہ بنا لیا۔ اللہ نے اُسے حلم و صبر کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا تھا، مگر ہم نے اُسے غیظ و غضب اور غم و غصہ کا مہینہ بنا لیا، اللہ تعالیٰ نے اُسے سکینت و وقار کا مہینہ بنایا تھا، مگر ہم نے اُسے گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے کا مہینہ بنا لیا، اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اس لیے فرض کیا تھا کہ ہماری عادتوں میں تبدیلی آئے، مگر ہم نے سوائے کھانوں کے اوقات میں تبدیلی پیدا کرنے کے کچھ نہیں کیا۔

عہد میں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

رمضان کے ایام میں ہم سے ہونے والی چند مشہور غلطیاں:

۱۔ افطار و سحور اور ماکولات و مشروبات کی خرید و فروخت میں حد درجہ مبالغہ آمیزی! جب بھی رمضان کی آمد آمد

ہوتی ہے بہترے مسلمان اشیاء خورد و نوش، سحری اور افطار کے سامان دسترخوان کو بھانت بھانت کے ماکولات و مشروبات، حلویات اور کھٹے میٹھے لذت آمیز چیزوں سے سجانے کی فکر لاحق ہو جاتی ہے، ہزاروں کی شاپنگ ہوتی ہے، بلکہ اسراف و تبذیر کا واضح عملی نمونہ موسم رمضان میں نظر آتا ہے، آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ افطار و سحری کے لیے جتنے اہتمام سے مختلف کھانے پینے کی چیزیں زیب دسترخوان ہوتے ہیں اتنے میں تو فقراء و مساکین کی ایک بڑی جماعت آسودہ ہو سکتی ہے۔

۲۔ سحری تناول کرنے میں بعض لوگ افراط و تفریط کے شکار ہیں، یعنی آدھی رات کو ہی کچھ لوگ کھانی کر سوجاتے ہیں اور کچھ لوگ آذان کے ختم ہونے تک کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ ۳۔ افطاری کرنے میں تاخیر۔ ۴۔ اذان فجر کے دوران بھی کھاتے پیتے رہنا۔ ۵۔ افطار کے وقت دعانہ پڑھنا۔ ۶۔ افطار تناول کرنے میں مشغول رہنا اور آذان کا جواب نہ دینا۔ ۷۔ ازراہ احتیاط طلوع فجر سے قبل ہی کھانا پینا چھوڑ دینا۔ ۸۔ نصف رات کو ہی سحری کھا کے سوجانا۔ ۹۔ بھول کر حالت روزہ میں کھانے پینے والے کو دیکھنے والے کا نہ ٹوکنا یہاں تک کہ پورا ختم کر دے۔ ۱۰۔ عورتوں کو کھان پان پکانے اور مطبخ کے کام میں ہی مشغول رکھنا، یاد رکھیں کہ رمضان کے اعمال و عبادات مثلاً: نماز، روزہ، صدقات و خیرات، تراویح، اذکار، تلاوت قرآن مجید اور دعا و مناجات وغیرہ جیسے مردوں کے لیے ہیں اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہیں، ان اعمال کی ادائیگی پر جس طرح مردوں کو اجر و ثواب ملتا ہے اسی طرح خواتین کو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے۔ ۱۱۔ مرد و عورتوں کا صلاۃ مغرب کی ادائیگی میں تاخیر کرنا۔ ۱۲۔ افطاری کے بعد سوجانا اور تراویح کی نماز نہ پڑھنا۔ ۱۳۔ صلاۃ فجر کی ادائیگی میں غفلت و کسلمندی سے کام لینا۔ ۱۴۔ رمضان کے ایام میں پورا دن سوتے رہنا۔ ۱۵۔ ماہ رمضان کو چھٹی کے ایام اور سیر و تفریح کے لمحات سمجھ کر گھومنے پھرنے اور موج مستی میں گزار دینا۔ ۱۶۔ رمضان کے روزے کو بوجھ سمجھنا، اور طرح طرح کی باتیں بنانا، مثلاً اتنا لمبادن، مختصر رات، گرمی اپنے شباب پر، تیس ایتیس دن تک۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ ۱۷۔ ماہ رمضان میں نوجوانوں کا موبائل انٹرنیٹ و سوشل میڈیا کا حد سے زیادہ استعمال کرنا کہ وقت نہیں گزر رہا ہے، یہاں تک کہ بعض نوجوانوں کا تراویح چھوڑ کر آئی پی ایل میچ دیکھنا، یا پب جی ولوڈ و گیمس وغیرہ کھیلنا۔ ۱۸۔ شب قدر میں رات رات بھر وعظ کرنا و سننا، یا رات نہ گزرے تو پارٹی و پکنک میں وقت ضائع کرنا۔ ۱۹۔ روزہ کی حالت میں بھی نشیات سگریٹ، کھینی اور گل وغیرہ کا استعمال کرنا۔

محترم قارئین! روزہ ایک تربیتی مدرسہ ہے، روزہ تقویٰ کا سبق دیتا ہے، روزہ شہوات و شہوات کے فتنے سے بچنے کا راستہ بتاتا ہے، روزہ سکھاتا ہے کہ ماضی کی غلطیوں کو نہ دہرایا جائے اور مستقبل حصول علم و عمل، دعوت و ارشاد اور

خدمت دین میں گزرے، روزہ کا پیغام ہے کہ رذیل و خسیس حرکتوں سے اپنے آپ کو کیسے محفوظ رکھا جائے، زندگی کیسی گذاری جائے، دنیا میں کیسے رہا جائے، خواہشات پر قابو کیسے پایا جائے مچلتے نفس کو کیسے منایا جائے۔

روزہ ایک مسلسل عبادت ہے اور روزہ دار سحری سے غروب آفتاب تک کا سارا وقت اللہ کی عبادت میں بسر کرتا ہے۔ ایک نماز پڑھ لینے کے بعد ممکن ہے آپ دوسری نماز تک یاد الہی سے غافل ہو جائیں، کاروبار حیات میں غفلت انسان کو اللہ سے دور رکھتا ہے لیکن جب اس کے دل میں یہ احساس جاگ اٹھتا ہے کہ وہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر بھوک پیاس کو برداشت کرنے کی پابندی قبول کر چکا ہے تو وہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ اس کا کوئی بھی لمحہ یاد الہی، ذکر و اوراد اور خیر و بھلائی سے غفلت میں بسر نہ ہو۔ چہ خوب

صرف عصیاں ہو اوہ لحظہ عمر جو تری یاد میں بسر نہ ہوا

اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر و باطن کو پاکیزہ بنائے، تقویٰ کی زندگی نصیب کرے، علم و عمل کی حیات دے، ماہ رمضان کے خیر و برکات کو سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حرف آخر: علامہ صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”جی ہاں! یہ مہینہ ایک بار پھر آ گیا تاکہ ہمارے پاس احساس و شعور کی کوئی رmq باقی رہ گئی ہو تو ہم اپنی سال بھر کی بے حسی، لاشعوری اور خود فریبی پر اشک ندامت کے قطرے بہائیں، ہمارے پاس محاسبہ نفس کی صلاحیت کا کوئی ذرہ باقی رہ گیا ہو تو ہم اپنی کج روی، غلط کاری اور شر نوازی کو توبہ و انابت سے دھلنے کی کوشش کریں۔ ہمارے پاس خیر و شر کا کوئی امتیاز باقی رہ گیا ہو تو داعی خیر کی ندائے غیبی پر لبیک و سعدیک کہتے ہوئے پیش رفت کریں، ہمارے اندر انسانیت کا کوئی گوشہ باقی رہ گیا ہو تو دنیا پرستی سے نکال کر اخوت و ہمدردی اور جو دوسخا کا دروازہ کھولیں۔ ہمارے اندر عبدیت کا کوئی حصہ باقی رہ گیا ہے تو عصیاں و طغیاں اور بغاوت و سرکشی کی راہ چھوڑ کر اطاعت و عبادت کے ذریعہ اسے مکمل کریں۔ اور ہمارے اندر اپنے انجام پر نظر ڈالنے کے لیے کچھ بھی بصیرت و پیش بینی باقی رہ گئی ہو تو آگ میں جلنے کے بجائے رحمت الہی اور فلاح آخرت کا دامن تھامنے کی کوشش کریں۔

یاد رکھئے! وقت کا یہ پیمانہ ہمارے فیصلہ کے انتظار میں رک نہیں سکتا، یہ رواں دواں پیمانہ ہے اس کا ایک ایک لمحہ ہماری قسمت پر فیصلہ کی مہر لگاتا نہایت تیز رفتاری سے گزرتا جا رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری غفلت کے نتیجے میں یہ فیصلہ ہماری ناکامی و نامرادی پر آخری مہر ثابت ہو، پس اٹھئے اور زندگی کے بگڑے ہوئے نقشے کو بدل کر رکھ دیجئے۔“

ترے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے مسلمان سے حدیث سوز ساز زندگی کہہ دے

نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے کا حکم

عبدالجبار انعام اللہ سلفی

وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِ (الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. زَادَ مُسْلِمٌ: لَا يَذْكُرُونَ: (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) فِي أَوَّلِ قِرَاءَةٍ وَلَا فِي آخِرِهَا. وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ، وَالنَّسَائِيَّ وَابْنَ خُزَيْمَةَ: لَا يَجْهَرُونَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. وَفِي أُخْرَى لِابْنِ خُزَيْمَةَ: كَانُوا يُسِرُّونَ. وَعَلَى هَذَا يُحْمَلُ النَّفْيُ فِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ، خِلَافًا لِمَنْ أَعْلَاهَا.

وَعَنْ نَعِيمِ الْمُجَمَّرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَقَرَأَ: (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) ثُمَّ قَرَأَ بِأَمِّ الْقُرْآنِ، حَتَّى إِذَا بَلَغَ: (وَلَا الضَّالِّينَ)، قَالَ: (آمِينَ) وَيَقُولُ كُلَّمَا سَجَدَ، وَإِذَا قَامَ مِنَ الْجُلُوسِ: اللَّهُ أَكْبَرُ. ثُمَّ يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَا أَشْبَهُكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سب نماز کی ابتداء (الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) سے کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم) مسلم نے یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے: قرأت کے شروع اور آخر دونوں موقعوں پر (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) نہیں پڑھتے تھے۔ مسند احمد، نسائی اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ہے: (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) کو جہری طور پر (اوپچی آواز سے) نہیں پڑھتے تھے۔ ابن خزیمہ کی ایک دوسری روایت میں ہے: وہ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ اور اسی پر صحیح مسلم کی روایت کی نفی کو محمول کیا جائے گا۔ بخلاف ان لوگوں کے جنہوں نے اسے معلول کہا ہے۔ [صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب ما يقول بعد الكتيبر، حديث: ۷۴۳، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب حجة من قال: لا يجهر بالبسملة، حديث: ۳۹۹، و سنن النسائي، الافتتاح، حديث: ۹۰۸، و صحیح ابن خزيمة: ۲۵۰/۱، حديث: ۴۹۸، ۴۹۷، و هو حديث صحيح]

اور حضرت نعیم مجمر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی امامت میں نماز پڑھی تو انہوں نے پہلے بسم اللہ تلاوت فرمائی، پھر اس کے بعد ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھی حتیٰ کہ جب آپ (وَلَا الضَّالِّينَ) پر پہنچ گئے تو آمین کہی۔ اور جب بھی سجدہ کرتے اور جب بھی بیٹھنے کے بعد کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، پھر سلام پھیر کر فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً میں نماز کی ادائیگی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تم سب سے زیادہ مشابہ ہوں۔ (میری نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بہت مشابہ ہے) [سنن النسائي، الافتتاح، باب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم، حديث: ۹۰۶، و صحیح ابن خزيمة: ۲۵۱/۱، حديث: ۴۹۹]

راۃ حدیث: دوسری حدیث کے راوی حضرت نعیم بن عبداللہ مجر رحمہ اللہ ہیں، ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ نعیم نعیم کی تصغیر ہے۔ مجر میں میم پر ضمیمہ جیم ساکن اور دوسرے میم کے نیچے کسرہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آل کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہر جمعہ کو دوپہر کے بعد مسجد نبوی میں خوشبو کی دھونی دیا کرتے تھے، اسی وجہ سے ان کا نام مجر (خوشبو کی دھونی دینے والا) مشہور ہو گیا۔ مشہور تابعی تھے۔ ابو حاتم ابن معین ابن سعد اور نسائی رحمہم اللہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ تقریباً ۱۲۰ سال تک زندہ رہے۔ [تہذیب التہذیب: ۱۰/۶۵۱، دار صادر بیروت، سیر اعلام النبلاء: ۲۲۷/۵]

فوائد ومسائل: ۱۔ انس رضی اللہ عنہ کی روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن کا حصہ ہے۔ ۲۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا جائے گا۔ ۳۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سورہ فاتحہ سے قرأت کا آغاز کرتے اور بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ ۴۔ نعیم بن عبداللہ مجر رحمہ اللہ سے مروی حدیث بسم اللہ اور آمین بالجہر کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ جو آدمی (امام سے متصل صف سے) پچھلی صف میں ہوگا اسے امام کی قرأت اور آمین اسی صورت میں سنائی دے گی جب کہ امام بلند آواز سے پڑھے (ورنہ اسے سنائی نہیں دے گی)۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی رجحان ہے۔ ۵۔ بسم اللہ کو آہستہ اور اونچی آواز سے پڑھنا دونوں طرح جائز ہے، تاہم اکثر اور زیادہ صحیح روایات کی رو سے آہستہ پڑھنا ہی ثابت ہے۔ اسی کے قائل جمہور اہل علم ہیں جن میں امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل بھی شامل ہیں۔

علامہ البانی رحمہ اللہ کا نظریہ یہ ہے کہ اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھنے کی کوئی بھی صریح حدیث موجود نہیں (تمام المئذی: ۱۶۹) شیخ الامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”عام اوقات میں آہستہ پڑھنا ہی سنت ہے، جبکہ بعض اوقات اونچی آواز سے پڑھنا بھی جائز و مباح ہے“ (مجموع الفتاویٰ: ۲۲/۴۱۰) امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے لیکن اونچی آواز کی بہ نسبت ہلکی آواز سے زیادہ پڑھتے تھے۔ (زاد المعاد: ۲۳/۲) علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے کہا: ”کہ میرے نزدیک پوشیدہ پڑھنا اونچا پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے“ (تحفۃ الاحوذی: ۶۱/۲) ۶۔ پوری نماز کو اللہ اکبر کہہ کر کے ادا کریں گے، سوائے رکوع سے اٹھتے وقت۔

مستفاد از: ۱۔ فقہ الاسلام عبدالقادر شیبہ الحدید، ۲۔ سبل السلام للمصنعانی، ۳۔ نختہ العلام شرح بلوغ المرام عبداللہ بن صالح الفوزان، ۴۔ تحفۃ الکرام شرح بلوغ المرام للذکور محمد لقمان السلفی، ۵۔ توضیح الاحکام شرح بلوغ المرام عبداللہ بسام، ۶۔ فتح ذی الجلال والاكرام شرح بلوغ المرام لابن عثیمین رحمہ اللہ ۷۔ فتح العلام فی دراستہ احادیث بلوغ المرام: ابو عبداللہ محمد بن علی بن حزم الفصلی البعدانی

شیخ مقیم فیضی: شخصیت کے کچھ اہم گوشے

سرفراز فیضی (مبئی)

زندگی بہتے دریا کے مانند ہوتی ہے، اس میں کچھ لوگ تو گلشیر کے مانند ہوتے ہیں جن کے ساتھ زندگی کا آغاز ہوتا ہے، کچھ نئی ندیوں کی طرح وقت کے ساتھ زندگی کی بہتی ندی میں آ ملتے ہیں، ان میں سے کچھ سورج کی تپش سے دھواں بن کر آسمان کی طرف اٹھ جاتے ہیں، اور کچھ نہروں کی طرح کسی موڑ پر ساتھ چھوڑ کر نئے راستوں پر نکل جاتے ہیں اور کچھ آخری سانس تک ساتھ بھاتے ہیں یہاں تک کہ زندگی کا دریا برزخ کے سمندر میں جا ملتا ہے۔

یاد نہیں کہ شیخ مقیم فیضی کا نام پہلی بار کب سنا تھا، البتہ ان کو پہلی بار احیاء کی ملت نگر آفس میں دیکھا، آئی آئی سی کی دور ملازمت میں ”شمس پیرزادہ“ محدثین کی عدالت میں پڑھی، السنہ کی پرانی فائلوں میں ان کے مضامین اور ادارے بھی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، ان تحریروں نے متاثر کیا اور دل و دماغ میں شیخ کو عام علماء کے خانے سے نکال کر خاص علماء کی فہرست میں جگہ دی، پھر جب ۲۰۱۶ء میں جمعیت سے بطور داعی منسلک ہوا تو شیخ کو قریب سے دیکھنے، جاننے اور ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا، شیخ ہمارے رفیق کار بھی تھے، ذمہ دار بھی اور مربی بھی، اللہ نے زندگی میں جن بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا ان میں سے ایک شیخ مقیم فیضی کی رفاقت بھی تھی، اللہ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔

بڑے لوگوں کے بارے میں زندگی کا تجربہ بڑا خراب رہا ہے، کئی ایسے لوگ فاصلوں سے جن کی بڑی تعریفیں سنی تھیں اور جن کے لیے دل میں عقیدت کے عظیم جذبات سجائے ہوئے تھے ان کو جب قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو خانہ دل میں سجائے عقیدت و محبت کے بت پاش پاش ہو گئے، یہ تجربات اتنی بار ہوئے کہ اب بڑی سمجھ جانی والی شخصیتوں کے قریب جانے سے ڈر لگنے لگا ہے۔

شیخ مقیم کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا، ان سے جتنی قربت بڑھی دل میں ان کے لیے محبت اور عقیدت کے جذبات بڑھتے گئے، ان کی عظمت اور بڑپن کا اعتراف راسخ ہوتا گیا، ہمارے معاشرے میں محبتوں کی بیچ احترام کے نام پر تکلفات کی اتنی دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں کہ محبت کے ان جذبات کو شیخ کے سامنے الفاظ دینے کی ہمت کبھی نہیں جٹا سکا، چا پلوسی کے دور میں خود دار انسان کے لیے سچی تعریف اور حقیقی محبت کا اظہار بھی بڑا مشکل ہوتا ہے، وفات سے ہفتہ بھر پہلے جب شیخ سے آخری ملاقات ہوئی تو پوری مجلس میں ہمت جٹاتا رہا کہ اس محبت کا اظہار کروں

اور جاتے جاتے دھیمی سی آواز میں جمع کے صیغے کے ساتھ کہا: ”شیخ ہم لوگ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں“، شیخ مقیم واقعی ایسے لوگوں میں سے تھے جن سے ملنے والا ان کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔

شیخ مقیم ان لوگوں میں سے تھے جن کو دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا، جن کی صحبت میں بیٹھ کر دل نرم ہوتا تھا، جن کی باتوں سے دل کی دنیا بدلتی تھی، جن کو سن کر روح کو بالیدگی ملتی تھی، زہد اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی تھی، پتہ نہیں اس مہلک مرض سے گزرنے کے بعد شیخ کی یہ حالت ہو گئی تھی یا یہ معاملہ ان کے ساتھ پہلے سے تھا ان کی دل میں دنیا سے بے رغبتی، اس کی لذتوں سے بے غرضی، آخرت کی فکر، نکاثر اور دنیا داری سے کراہت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، ان کی ذاتی مجلسوں اور ان کے خطابات میں یہ باتیں جب ان کی زبان سے نکلتی تو سمجھ آتا تھا کہ یہ کوئی خطیبانہ تصنع اور دکھاوے کے زہد کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کے دل سے نکلنے والی آواز ہے، ان کی باتوں میں ان کے یقین کی مضبوطی جھلکتی تھی، ان کے لہجے میں اخلاص اور فکر مندی کا درد ہوتا، نصیح و خیر خواہی کی مٹھاس ہوتی۔

شیخ مقیم کی شخصیت کو خوبصورت بنانے والی ایک بہت اہم چیز ان کا تواضع تھا، علم کا حصول بھی اللہ کی عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے، اللہ جب اس علم کی عبادت کو قبولیت کے شرف سے نوازتا ہے تو اس قبولیت کے کچھ آثار ایک عالم کی شخصیت میں پیدا ہو جاتے ہیں، قبولیت کے انہی آثار میں سے ایک تواضع ہے، تواضع اہل علم کی شان اور ان کے مرتبے کی بلندی کی نشانی ہوتی ہے، کبر و نخوت علم کی روشنی کو مدھم اور صاحب علم کے کردار کو پست کر دیتی ہے، تواضع اللہ اور بندے دونوں کی نظر میں صاحب علم کی شان بڑھا دیتا ہے۔ شیخ مقیم کی بہت نمایاں خوبیوں سے ایک ان کا تواضع تھا، حالانکہ وہ کوئی چھوٹے موٹے عالم دین نہیں تھے، جن لوگوں نے ان کو قریب سے دیکھا ہے وہ ان کے مطالعے کی وسعت اور گہرائی دونوں کا اعتراف کریں گے، دنیا جہان کا کوئی موضوع ان کے سامنے چھیڑا جائے ان کے پاس لٹانے کے لیے لطائف و معارف کے خزانے ہوتے اور اس معاملہ میں وہ بھرپور سخاوت سے کام بھی لیتے، لیکن ان کی گفتگو میں کہیں غرور کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں ہوتی، کسی حاضر غائب کے لیے تحقیر کا شانہ تک نہیں ہوتا، کسی چھوٹے بڑے عالم کے کسی موقف کا رد بھی کرتے تو پوری عالمانہ شان کے ساتھ بغیر ان کی شان میں ادنیٰ گستاخی کے کرتے۔

شیخ ہم لوگوں سے علم، عمر، عمل، تجربے اور منصب ہر چیز میں بڑے تھے، اس کے باوجود ہم جیسے چھوٹے لوگوں سے بھی علمی موضوعات پر بالکل طالب علمانہ انداز میں گفتگو کرتے، بڑے لوگوں کی طرح یک طرفہ صرف بولنے نہیں سنتے بھی تھے، اپنی باتیں دلیل کے ساتھ رکھتے اور سامنے والے کو بولنے کا موقع دیتے تھے۔

شیخ کی تحریریں ہوں یا تقریر گفتگو عالمانہ ہوتی تھی، علمی انداز میں اور اصولوں کی روشنی میں بات کرنے کے عادی تھے، ان کی تحریر و تقریر میں کہیں بے اصولی اور ابتذال کا شائبہ نہیں ہوتا تھا جو کہ اس دور کے بہت سارے مقررین اور قلم کاروں کا بہت بڑا عیب ہیں۔

شیخ مقیم علم کے سخی تھی، شیخ کے مطالعے میں تنوع بھی بہت تھا، علوم و فنون کے ہر چشمے سے آپ نے سیرابی کی تھی، اس تنوع نے ان کی علمی شخصیت کو بہت وسیع بنا دیا تھا، اس لیے مجلس میں علم کا خواہ کوئی موضوع زیر بحث ہو اس پر اچھی خاصی معلومات شیخ کے پاس موجود ہوتی اور ان کے دست سناوت میں علم کے سائلین کے لیے کافی سرمایہ رہتا جس کو لٹانے میں وہ ذرا بھی بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔

علم بانٹنا شیخ مقیم کا شوق تھا، کوئی بات بتا رہے ہوتے تو خوشی اور ایکساٹمنٹ کے آثار آپ کے حسین چہرے پر واضح ہوتے تھے، وہ علم بانٹ کر خوش ہوتے تھے۔

پتہ نہیں شیخ کو اس بات کا ادراک ہو گیا تھا کہ وقت کم ہے اور کام زیادہ یا پھر شیخ کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ ایک ایک منٹ علم کے حق میں وصول کرنے کی فراق میں رہتے، ممبر اسے کر لاروز کا پ ڈاؤن تھا، ایک سے دیر بڑھ گھنٹے کا سفر ہوتا تھا، ٹرین میں بیٹھتے ہی موبائل میں پی ڈی ایف کھولتے یا چھوٹی سی ایک کاپی جس میں وہ اپنے مضامین لکھتے تھے کھول کر لکھنا شروع کر دیتے۔

میں نے اپنی چھوٹی سی زندگی میں شیخ مقیم سے زیادہ حق گو انسان نہیں دیکھا، آپ صاف صاف بات کرنے کے عادی تھے، ہر طرح کے خوف اور لالچ سے آزاد ہو کر بات کرنے والے تھے، نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی فکر کرتے تھے نہ کسی بڑے کی بڑائی کو خاطر میں لاتے تھے، رقیہ کے مسئلے میں لوگوں نے گروپ بنا کر شیخ کے خلاف کمپین چلائی، ہر حربہ آزما، ہر طرح سے دباؤ ڈالنے کی کوششیں کی لیکن شیخ کے پائے استقامت میں سر مو انحراف نہیں آیا، ایک بار جمعہ کے خطبے میں کچھ باتیں کہیں، بعض لوگوں کو بات دل پر لگ گئی کہ شیخ ہمارے خلاف بول گئے، انہوں نے بھی شیخ کے خلاف مختلف حربے آزمانے کی کوشش کی لیکن شیخ کو حق گوئی سے نہیں روک سکے۔

آدمی اپنے کاز کے لیے مخلص ہو اور خوف اور لالچ سے آزاد ہو تو اللہ تعالیٰ بطور انعام زبان کو تاثیر اور لہجے کو درمندی کی دولت سے سرفراز فرما دیتا ہے، شیخ کے خطابات مستقل سننے والے اس تاثیر اور درمندی کو بہت واضح انداز میں محسوس کر سکتے تھے بلکہ یہ درمندی شیخ کی خطابت کی امتیازی خصوصیت ہے۔

ایک اچھے خطیب کی تقریباً ہر خصوصیت شیخ میں پائی جاتی تھی، اگر خطیبوں کی رینٹنگ کا کوئی سسٹم ہمارے یہاں ہوتا

تو شیخ مقیم ٹاپ ٹین میں جگہ تو ضرور پاتے، شیخ تقریر بہت درد مندی سے کرتے تھے، آپ کا مطالعہ ویسے بھی بہت وسیع تھا اور آپ کی تقریریں کر اندازہ ہوتا تھا کہ آپ تقریر محنت سے تیار کرتے ہیں۔

خطابت شیخ کا شوق تھا، آپ کا لہجہ اور آواز جلال سے پر تھا، شخصیت پر رعب تھی، مردانہ وجاہت سے بھرپور شخصیت کے مالک تھے، سرخی مائل گوارنگ تھا، وجیہ و حسین تھے، لباس کا ذوق بھی بہت نفیس تھا، جب کہیں بڑے پروگرام میں شرکت کرنی ہوتی تو صدری اور اونچی قرآنی ٹوپی پہن کر آفس تشریف لاتے، خوش لباسی آپ کی شخصیت میں چارچاند لگا دیتی اور آپ کی شخصیت کے رعب میں اضافے کا باعث بنتی۔

منہجی حمیت شیخ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، عام طور پر علماء صرف مسلکی معاملات کو منہج کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن شیخ مقیم زندگی کے ہر شعبے کو منہجی زاویے سے دیکھنے کے قائل تھے، ان کی صحبت میں رہ کر یہ سبق ملا کہ منہج حقیقت میں کتابوں سے پڑھ کر سیکھے جانی والی چیز نہیں، اس کو سیکھنے کے لیے اپنے شب و روز علماء کی صحبت میں لگانا ضروری ہے۔

ایک بار شیخ کے بغل میں نماز پڑھی، میری نماز کے بعد اذکار پڑھتے ہوئے جھومنے کی عادت ہے، شیخ نے دیکھا تو مسکراتے ہوئے پوچھا کہ ”جھومتے کیوں ہیں اذکار پڑھتے ہوئے؟“ میں نے کہا کہ توجہ مرکوز کرنے کے لیے، سن کر شیخ اپنے انداز میں مسکرائے، مسکراہٹ میں اس عمل کے تئیں ایک طرح کے اندیشے کا اظہار تھا جس کو میں سمجھ گیا۔

جمعیت کے ابتدائی دور میں میرے موبائل کی رنگ ٹون پر بنا موسیقی والی نشید سیٹ تھی، ایک مرتبہ شیخ کی موجودگی میں فون کی رنگ بجی تو شیخ نے رنگ ٹون چینیج کرنے کے لیے کہا، میں نے ارادہ کیا کہ لوں گا لیکن بات ذہن سے نکل گئی، اتفاق سے کسی اور موقع پر بھی شیخ کے سامنے فون آ گیا، شیخ رنگ ٹون سن کر سخت ناراض ہوئے اور قدرے سختی سے رنگ ٹون تبدیل کرنے کی تاکید فرمائی۔

ایک بار کسی مسجد میں خطاب کے لیے گئے، دیکھا کہ مسجد کے محراب پر ایک طرف اللہ اور دوسری طرف محمد نقش ہے، شیخ نے تقریر میں اس پر نکیر کی اور اس کو مٹانے کا حکم دیا۔

اپنی جزییشن کے علماء کے برخلاف شیخ بہت ٹیکنوسیوی تھے، جدید ٹیکنالوجی سے بھرپور استفادہ کرتے تھے، میرے پاس زیومی کامیکس ٹو تھا، جس کی اسکرین سات انچ کی تھی مطالعے کے لیے بہت مناسب تھی، شیخ کو موبائل پسند آیا تو مجھ سے تفصیلات پوچھ کر اپنے لیے بھی میکس ٹو منگوا یا، اس عمر کے علماء بالعموم پی ڈی ایف سے مطالعہ کے عادی نہیں ہوتے، بلکہ موقع بموقع ناپسندیدگی کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں لیکن شیخ کے موبائل اور کمپیوٹر میں تو پی ڈی ایف کا اچھا

خاصا ذخیرہ موجود تھا جس سے آپ استفادہ کرتے تھے، بلکہ مختلف موقعوں پر مجھے بھی کسی کتاب کی پی ڈی ایف ڈھونڈنے کا کام دیتے رہتے تھے۔

پی ڈی ایف کے علاوہ مکتبہ شاملہ، دیگر ڈیجیٹل لائبریریز اور انٹرنیٹ سے بھی بہت استفادہ کرتے، گوگل سرچ میں شیخ کو اچھی مہارت تھی، اردو کی مشہور ویب سائٹ ریختہ سے آپ مستقل استفادہ کرتے تھے، عربی ویب سائٹس پر آپ کی مستقل نظر رہتی تھی، داعش پر جو رسالہ آپ نے لکھا ہے اس کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شیخ انٹرنیٹ سے بھی خوب استفادہ کرتے تھے۔

لکھنے اور پڑھنے میں شیخ کی زبان پر گرفت بہت مضبوط تھی، آپ کی گفتگو میں الفاظ اور تعبیروں کا تنوع خوب تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر طرح کی اور ہر فن کی کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہتیں، ادبی کتابوں اور شاعری سے بھی آپ کو خاص شغف تھا، کسی علمی کام کی تکمیل سے فارغ ہوتے تو ہلکے پھلکے مطالعے کے لیے ادبی کتابوں کا رخ کرتے، ایک بار مجھ سے اقبال اور غالب کی بعض شروحات طلب فرمائی، اسی درمیان فیض کی کلیات پی ڈی ایف میں تلاش کرنے کا حکم دیا، مجھے ذرا خوشگوار حیرت ہوئی، کیونکہ ہمارے یہاں علماء بالعموم فیض یا کسی دوسرے ترقی پسند شاعر کو پڑھنا پسند نہیں کرتے۔

شیخ مقیم بہت صابر شا کر انسان تھے، اتنی مصیبتوں سے گزرے لیکن ان کی زبان سے کبھی شکایت کا ایک حرف نہیں سنا۔ وفات سے پہلے جب کینسر کے مرض میں مبتلا ہوئے تو ایک مجلس میں مسکراتے ہوئے کہا ”کینسر ہوا ہے“ بلندی ہمتی دیکھ کر دل درد سے بھر گیا، زندگی کے آخری وقت میں جب تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی تھی اس وقت بھی جس سے ملتے مسکرا کر ملتے، اللہ کے فیصلے کے سامنے خود سپردگی کا مزاج بہت شاندار تھا اور زبان سے اس خود سپردگی اور اللہ کے فیصلے سے راضی ہونے کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے۔

اس کا افسوس زندگی بھر رہے گا کہ شیخ کی وفات کے وقت ممبئی میں موجود نہیں تھا اور جنازے میں شرکت سے محروم رہا، لیکن شیخ کی یاد ہمیشہ دل میں تازہ رہے گی، اب بھی یہ معمول ہے کہ سفر میں شیخ کا کوئی ویڈیو دیکھتا ہوں تو شیخ کو سامنے بیٹھ کر گفتگو کرتا محسوس کرتا ہوں۔

اللہ شیخ کی قبر کو نور سے بھر دے، آخرت کا سفر ان کے لیے آسان فرمادے، جو علمی سرمایہ انہوں نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے ہمیں اس کی قدر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اس کا اجر شیخ کو بڑھا چڑھا کر دے۔ آمین



طلاق حیض کے عدم وقوع سے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی سند

کفایت اللہ سنابلی

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو جو طلاق دی تھی اللہ کے نبی ﷺ نے اسے رد کر دیا تھا اس سے متعلق روایات کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب ”احکام طلاق“ کی طرف رجوع کریں۔

ذیل میں اس بات کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے کہ صاحب واقعہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی یہی تھا کہ حیض کی حالت میں دی گئی طلاق کا کوئی شمار نہیں ہوگا۔ چنانچہ:

امام ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۶) نے کہا:

نا یونس بن عبید اللہ نا ابن عبد اللہ بن عبد الرحیم نا أحمد بن خالد نا محمد بن عبد السلام الخشنی نا ابن بشار نا عبد الوہاب بن عبد المجید الثقفی نا عبید اللہ بن عمر عن نافع مولی ابن عمر عن ابن عمر أنه قال فی الرجل یطلق امرأته وهی حائض، قال ابن عمر: لا یعتد بذلك .

نافع رحمہ اللہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دیا، تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اس کی طلاق کا کوئی شمار نہیں ہوگا۔ [المحلی لابن حزم، ت بیروت: ۳۷۵/۹، ایضا: ۳۸۱/۹، وإسناده صحیح، إغاثة اللہفان ط عالم الفوائد: ۵۲۱، وقال المحقق: إسناده صحیح]

امام ابن حزم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۶) نے کہا:

”الروایة الصحیحة“، ”صحیح روایت“ [المحلی لابن حزم، ت بیروت: ۳۸۱/۹]

امام ابن قیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۵۱) نے کہا:

”وهذا إسناده صحیح“، ”یہ سند صحیح ہے“ [عون المعبود مع حاشیة ابن القیم: ۱۷۱/۶]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی: ۸۵۲) نے کہا:

”وإسناده صحیح“، ”اس کی سند صحیح ہے“ [التمییز لابن حجر، ت دکتور الثانی: ۲۴۳۵/۵]

اس اثر کے متن پر اعتراض اور اس کا جواب:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا عبد الوہاب الثقفی، عن عبید اللہ بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر، فی الذی یطلق

امرأته وهي حائض ، قال : ”لا تعتد بتلك الحيضة“

نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی کہ: ”اس کی بیوی اس حیض کا شمار نہیں کرے گی“ [مصنف ابن ابی شیبہ۔ سلفیہ: ۵/۵، وإسناده صحيح

وأخرجه أيضا ابن الأعرابي في معجمه: ۸۵۰/۲، والبيهقي في سننه: ۴۱۸/۷، من طريق ابن معين عن عبد الوهاب به]

اس روایت کی بنیاد پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابن حزم کی روایت میں جس چیز کو شمار نہ کرنے کی بات ہے وہ طلاق نہیں بلکہ حیض ہے جیسا کہ دوسری روایت میں صراحت ہے۔

عرض ہے کہ ابن حزم کی روایت مجمل نہیں ہے بلکہ بالکل صریح اور واضح ہے کہ انہوں نے طلاق کو شمار نہ کرنے کی بات کہی ہے، اسی طرح جس طریق میں حیض کو شمار نہیں کرنے کی بات ہے وہ بھی بالکل صریح اور واضح ہے۔ اس لیے دوسری روایت پہلی روایت کی تشریح نہیں ہے بلکہ دونوں روایات میں الگ الگ بات ہے اور دونوں ہی ثابت شدہ ہیں۔ دراصل ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مکمل کلام یہی ہے کہ وہ حیض کی حالت میں طلاق دینے پر نہ تو طلاق شمار کرتے تھے اور نہ ہی ایسی طلاق کے بعد بطور عدت حیض کو شمار کرتے تھے، عبد الوهاب الثقفی نے اپنے طریق سے یہ دونوں باتیں نقل کی ہیں لیکن انہوں نے بعض دفعہ پہلی بات بیان کی ہے اور بعض دفعہ دوسری بات بیان کی ہے۔

اور دیگر رواۃ کے یہاں بھی روایت کا یہ طرز عمل ملتا ہے، چنانچہ:

ایک ہی سند سے دو متن ثابت ہونی کی مثال: عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اپنے دور خلافت میں صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے لیے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ طعام یا نصف درہم وصول کیا جائے۔

ابو اسامہ نے عوف کے طریق سے یہ دونوں باتیں نقل کی ہیں لیکن انہوں نے بعض دفعہ صرف طعام والی بات بیان کی ہے اور بعض دفعہ صرف نصف درہم والی بات بیان کی ہے۔

چنانچہ: امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا أبو أسامة، عن عوف، قال: سمعت كتاب عمر بن عبد العزيز إلى عدی يقرأ بالبصرة في

صدقۃ رمضان: على كل صغير أو كبير، حر أو عبد، ذكر أو أنثى، نصف صاع من بر، أو صاع من تمر.

بصرہ میں عدی کے پاس عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا فرمان پڑھا گیا جس میں تھا کہ: ہر چھوٹے بڑے، آزاد غلام

اور مرد و عورت کی طرف سے نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور کی ادائیگی واجب ہے۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، ت

الشري: ۲۸۹/۶، وإسناده صحيح، وأخرجه أيضا الطحاوي في شرح معاني الآثار: ۴۷/۲، من طريق عبد الله بن حمران عن عوف به]

یہاں ابو اسامہ نے عوف کے طریق سے صرف طعام والی بات نقل کی ہے۔ اب اگلی روایت دیکھیں:

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۵) نے کہا:

حدثنا أبو أسامة، عن عوف، قال: سمعت كتاب عمر بن عبد العزيز يقرأ إلى عدى بالبصرة: يؤخذ من أهل الديوان من أعطيتهم، عن كل إنسان نصف درهم.

بصرہ میں عدی کے پاس عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا فرمان پڑھا گیا جس میں تھا کہ: سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں سے نصف درہم ہر انسان کی طرف سے (بطور فطرہ) لیا جائے گا۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، ت الشری: ۶/۲۹۳، و اسنادہ صحیح و أخرجه ابن زنجويه فى الأموال: ۱۲۶۸/۳، من طريق ابن المبارك عن عوف به]

یہاں ابو اسامہ نے اسی طریق سے یہ روایت نقل کیا مگر صرف نصف درہم والی بات بیان کی ہے۔ یہی معاملہ عبد الوہاب الثقفی کا بھی ہے کہ انہوں نے ایک روایت کے الگ الگ حصے کو الگ الگ موقع سے بیان کیا ہے اور ساری باتیں ثابت ہیں۔

ایک ہی سند سے مروی ابن عمر رضی اللہ عنہ کے الگ الگ واقعات واقوال:

اگر عبید اللہ نے نافع کے طریق سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا طلاق سے متعلق صرف ایک ہی فتویٰ نقل کیا ہوتا تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ ایک روایت دوسری روایت کی تشریح ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عبید اللہ نے نافع کے طریق سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے طلاق ہی سے متعلق کئی باتیں نقل کی ہیں، جن کی درج ذیل دو قسمیں ہیں:

(الف) پہلی قسم: ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ حیض سے متعلق:

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طلاق حیض کا واقعہ:

عن عبید اللہ ، أخبرنی نافع ، عن ابن عمر ، أنه طلق امرأته وهى حائض ، فأتى عمر النبى ﷺ ، فاستفتاه فقال :مر عبد الله فليراجعها ، حتى تطهر من حیضتها هذه ، ثم تحيض حیضة أخرى ، فإذا طهرت فليفارقتها قبل أن يجامعها ، أو ليمسكها ، فإنها العدة التى أمر أن تطلق لها النساء .

عبید اللہ نے نافع سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور ان سے فتویٰ پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ اپنی بیوی واپس لے لیں یہاں تک کہ وہ اس حیض سے پاک ہو جائے پھر اسے دوسری بار حیض آئے پھر اس کے بعد جب وہ پاک ہو تو اسے جماع سے پہلے الگ کر دیں، یا اسے روک لیں یہی وہ عدت ہے جس میں عورتوں کو طلاق دینے کا حکم ہے۔ [مسند أحمد ط المیمینة: ۵/۴۱۲، و اسنادہ صحیح]

یہاں عبید اللہ نے نافع کے طریق سے صرف ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طلاق حیض کا واقعہ نقل کیا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق حیض سے متعلق یہ وضاحت کہ انہوں نے ایک طلاق دی تھی:

قال عبید اللہ: وکان تطليقه إياها في الحيض واحدة غير أنه خالف فيها السنة .

عبید اللہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حالت حیض میں جو طلاق دی تھی وہ ایک طلاق تھی یہ اور بات ہے کہ

انہوں نے اس میں سنت کی مخالفت کی تھی۔ [مسند عمر بن الخطاب للنجاح: ص: ۴۹، وإسناده صحيح]

یہاں عبید اللہ نے نافع کے طریق سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق حیض کو بیان کرنے کے بعد یہ وضاحت

کی کہ انہوں نے ایک طلاق دی تھی۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق حیض سے متعلق نافع کا قول کہ اسے شمار کیا گیا تھا:

قال عبید اللہ: قلت لنافع: ما صنعت التطليقة؟ قال: واحدة اعتد بها .

عبید اللہ نے کہا: میں نے نافع سے پوچھا: اس طلاق کا کیا ہوا؟ تو نافع نے جواب دیا: یہ ایک طلاق تھی جسے شمار کیا

گیا۔ [صحیح مسلم: رقم: ۱۴۷۱]

یہاں عبید اللہ نے نافع کے طریق سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق حیض کو سننے کے بعد نافع سے سوال کیا

جس کے جواب میں نافع نے کہا کہ اس طلاق کو شمار کیا گیا، (یہ شمار کرنے والے ابن عمر رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ دیگر روایات میں ہے)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق حیض سے متعلق یہ بیان کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق کو شمار کیا اور ان کی بیوی کا

عمل کہ انہوں نے اس طلاق کی عدت نہیں گزاری:

عبید اللہ بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر: أنه طلق امرأته على عهد رسول الله صلى الله عليه

وسلم وهي حائض قال: فاعتد ابن عمر بالتطليقة، ولم تعتد امرأته بالحیضة .

عبید اللہ نے نافع سے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں

اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی، تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس طلاق کو شمار کیا اور ان کی بیوی نے اس حیض

سے عدت نہیں گزاری۔ [معرفة السنن والآثار للبيهقي: ۲۹/۱۱، وإسناده حسن]

(ب) دوسری قسم: ابن عمر رضی اللہ عنہ کے دیگر عام فتاویٰ:

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عام فتویٰ کہ طلاق حیض کی عدت شمار نہیں ہوگی:

عن عبید اللہ بن عمر ، عن نافع ، عن ابن عمر ، فی الذی يطلق امرأته وهي حائض ، قال : لا تعتد بتلك الحيضة .

عبید اللہ نے نافع سے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں کہا جس نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی کہ اس کی بیوی اس حیض کا شمار نہیں کرے گی۔ [مصنف ابن ابی شیبہ . سلفية: ۵/۵، وإسناده صحيح وأخرجه أيضا ابن الأعرابي في معجمه: ۸۵۰/۲، والبيهقي في سننه: ۴۱۸/۷ من طريق ابن معين عن عبد الوهاب به]

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عام فتویٰ کہ طلاق حیض شمار نہیں کی جائے گی:

عبید اللہ بن عمر عن نافع مولى ابن عمر عن ابن عمر أنه قال فى الرجل يطلق امرأته وهي حائض ، قال ابن عمر : لا يعتد بذلك .

عبید اللہ نے نافع سے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دیا، تو عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اس کی طلاق کا کوئی شمار نہیں ہوگا۔ [المحلى لابن حزم، ت بيروت: ۳۷۵/۹، أيضا: ۳۸۱/۹، وإسناده صحيح ، إغاثة اللهفان ط عالم الفوائد: ۵۲/۱، وقال المحقق :إسناده صحيح]

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عام فتویٰ کہ غیر مدخولہ کو دی گئی بیک وقت تین طلاق تین شمار ہوگی:

عبید اللہ بن عمر ، عن نافع ، عن ابن عمر ... فى الرجل يطلق امرأته ثلاثا قبل أن يدخل بها، قالوا: لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره .

عبید اللہ نے نافع سے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جو اپنی بیوی کو مدخول سے پہلے تین طلاق دے دے، اس کی بیوی اس کے لیے تب تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے شادی نہ کر لے۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، ط الفاروق: ۳۴۱/۶، وإسناده صحيح وأخرجه أيضا البيهقي في سننه: ۳۳۵/۷، من طريق سفيان عن عبید اللہ بن عمر به ، وأخرجه أيضا الطحاوى فى شرح معانى الآثار، ت النجار: ۵۷/۳، من طريق محمد بن إياس بن البكير عن ابن عمر به]

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ کہ طلاق البتہ یعنی تین طلاق تین شمار ہوگی:

عبید اللہ بن عمر ، عن نافع ، عن ابن عمر ، فى البتة ثلاث تطليقات .

عبید اللہ نے نافع سے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے طلاق البتہ کو تین طلاق قرار دیا۔

[مصنف ابن ابی شیبہ، ط الفاروق: ۳۸۷/۶، رقم: ۱۸۴۲۷، وإسناده صحيح]

ملاحظہ فرمائیں کہ عبید اللہ نے نافع کے طریق سے طلاق سے متعلق جو باتیں بیان کی ہیں ان کی دو قسم ہے اور ہر قسم میں چار چار طرح کی باتیں ہیں:

پہلی قسم میں ایسی باتیں ہیں جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے خاص واقعہ حیض سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں انہوں نے: کبھی صرف ابن عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ طلاق حیض کو بیان کیا ہے۔

کبھی اس واقعہ کے بیان کے بعد خود یہ وضاحت کی کہ اس واقعہ میں حالت حیض میں ایک ہی طلاق دی گئی تھی۔

کبھی نافع سے اپنے سوال اور اس پر ان کے جواب کو بیان کیا کہ یہ ایک طلاق شمار کی گئی تھی (یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے)

کبھی نافع کے طریق سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کو بیان کیا کہ انہوں نے اس طلاق کو شمار کیا اور ان کی بیوی نے اس کی عدت نہیں گزاری۔

دوسری قسم میں ایسی باتیں ہیں جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کے خاص واقعہ حیض سے تعلق نہیں رکھتی ہیں بلکہ طلاق سے متعلق ان کے دیگر عام فتاویٰ ہیں۔ ان میں کبھی:

ان کا یہ فتویٰ بیان کیا کہ طلاق حیض کی عدت شمار نہیں ہوگی۔

کبھی ان کا یہ فتویٰ بیان کیا کہ طلاق حیض کو شمار نہیں کیا جائے گا۔

کبھی ان کا یہ فتویٰ بیان کیا کہ غیر مدخولہ کو دی گئی بیک وقت تین طلاق تین شمار ہوگی۔

کبھی ان کا یہ فتویٰ کہ طلاق البتہ تین طلاق شمار ہوگی۔

عبید اللہ کی نافع کے طریق سے بیان کردہ دونوں قسم کی ان باتوں کو ثابت شدہ مانا جاتا ہے اور کسی بات کو دوسری بات کے معارض بتا کر رد نہیں کیا جاتا، مثلاً پہلی قسم یعنی واقعہ حیض سے متعلق روایات کو بنیاد بنا کر، دوسری قسم یعنی دیگر عام فتاویٰ کی روایات کو رد نہیں کیا جاتا، بالخصوص غیر مدخولہ کو بیک وقت دی گئی تین طلاق کو تین شمار کرنے کا فتویٰ، جو کہ دیگر روایات سے الگ تھلگ ہے، اسی طرح طلاق البتہ کو تین طلاق قرار دینا جو کہ سب سے بالکل ہی الگ چیز ہے۔

ایک ہی سند سے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی دو متضاد اقوال کی مثال:

رہی یہ بات کہ اسی سند یہ بھی تو منقول ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق حیض کو شمار نہیں کیا، جیسا کہ اوپر اسی سند سے منقول روایت میں اس کا ذکر ہے۔

تو عرض ہے کہ یہ بات بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اس سے کسی کو انکار نہیں، لیکن اس کی بنا پر اس سے متضاد ان کے دوسرے قول کو رد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ بھی ثابت شدہ ہے، اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ایک ہی

سند سے کسی ایک ہی صحابی کے دو متضاد اقوال ثابت ہوں۔ بلکہ خود ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی مثال لیجئے کہ مٹلحہ کی عدت کے بارے میں بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دو متضاد قول مروی ہے اور دونوں کے راوی نافع ہی ہیں۔

ایک روایت میں نافع کہتے ہیں: وقال عبد الله بن عمر عدتها عدة المطلقة.

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس (مٹلحہ) کی عدت مطلقہ کی عدت ہے۔ [موطأ مالك ت عبد الباقي:

۵۶۵/۲، و [سنادہ صحیح]

اور دوسری روایت میں نافع کہتے ہیں: عن ابن عمر قال: عدة المختلعة حيضة.

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مٹلحہ کی عدت ایک حیض ہے۔ [سنن أبي داود: رقم: ۲۲۳۰، و [سنادہ صحیح]

لہذا طلاق حیض میں بھی نافع ہی ان سے دو الگ الگ فتویٰ نقل کریں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

الغرض عبید اللہ نے نافع کے طریق سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا جو یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ طلاق حیض شمار نہیں کی جائے گی، اسے بھی الگ اور مستقل فتویٰ مانا جائے گا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ثابت مانا جائے گا۔

در اصل طلاق سے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دو فتویٰ ہے ایک یہ کہ طلاق بدعت واقع نہیں ہوگی، مثلاً بیک وقت

تین طلاق ایک ہی ہوگی، اسی طرح حالت حیض میں دی گئی طلاق کا شمار نہیں ہوگا۔ یہی ان کا اصلی اور شرعی فتویٰ ہے۔

لیکن ان کے والد نے جب طلاق بدعت کو بھی تعزیراً نافذ کرنے کا فرمان جاری کیا تو اس کی رعایت میں وہ طلاق بدعت کے وقوع کا فتویٰ دیتے، یعنی بیک وقت تین طلاق کو تین بتلاتے اور طلاق حیض کو بھی شمار کرتے۔ یہ ان کا اصلی

فتویٰ نہیں تھا بلکہ سرکاری فرمان کے تحت سیاسی اور عارضی فتویٰ تھا۔ اس کی مزید وضاحت ہماری کتاب ”احکام طلاق“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اس طرح ان کے دونوں فتاویٰ میں کوئی تعارض نہیں رہ جاتا ہے، بلکہ دونوں کے مابین اس طرح تطبیق ہو جاتی ہے

کہ طلاق کے عدم وقوع کا فتویٰ ان کا اصلی فتویٰ ہے، جو ان کی روایت کردہ حدیث کے موافق ہے، جبکہ وقوع طلاق کا

فتویٰ مصلحت اور سیاسی ضرورت کے پیش نظر تھا جو عارضی اور وقتی تھا۔ والحمد للہ

طلاق حیض اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے متعلق بعض اور شبہات کے جوابات کے لیے دو قسط پر مشتمل

ہمارے اس مضمون کی طرف مراجعت کریں:

(۱) طلاق حیض، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اور شبہات کا ازالہ

(۲) طلاق حیض، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اور شبہات کا ازالہ

IIC Ramazan Ration Package-2024



رمضان ۲۰۲۴ راشن پیکج

Per Package

Rs. 2000/-

**Rahem Karne Walon Par Allah Rahem Karta Hai.
Tum Log Zameen Walon Par Rahem Karo,
Aasmaan Wala Tum Par Rahem Karega.**
(Tirmizi : 1924)

1. Rice 10 kg.
2. Atta (Chakki) 10 Kg.
3. Tuwar Dal 2 kg.
4. Vatana Dal 1 kg.
5. Chana 1 Kg.
6. Sugar 2 kg.
7. Tea 500 gm.
8. Refined Oil 2 liter
9. Besan 1 Kg.
10. Khajoor 1 Kg.
11. Rooh Afza 1 Bottle

ICICI BANK : Account Name : ILM FOUNDATION (Savings),
Account No. : 102801002071 | IFSC : ICIC0001028,
Branch : Andheri link Road Mumbai,



Donate Karne Ke Baad is No. 8291063785
Par Screenshot What'sApp Karen

حرم الله خير

اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی کا تعاون کریں۔ آئیے اس دعوتی کام میں ہمارا ساتھ دیں۔

الحمد للہ اسلامک انفارمیشن سینٹر ممبئی (IIC-Mumbai) منج سلف پر قائم ہندوستان کا ایک معروف تحقیقی، دعوتی، تعلیمی، رفہانی ادارہ ہے، جو سن ۲۰۰۲ء سے مستند علمائے کرام کی نگرانی میں اپنی سرگرمیاں انجام دے رہا ہے، اس ادارہ کے مختلف شعبے ہیں، سماج کے تمام طبقات ”بچے، نوجوان، مرد و خواتین“ تک اسلامی تعلیمات پہنچانا اور اسلام سے متعلق شکوک و شبہات کو دور کرنا ہمارا مشن ہے۔ لہذا آپ لوگوں سے اپیل کی جاتی ہے اس ادارہ کا زیادہ سے زیادہ تعاون کریں۔ جزاکم اللہ خیرا و احسن الجزاء



دعوہ ڈیسک وزیر
(کرلا، اندھری)



اسلام فون ہیلپ لائن
8080807836
8080801882



اسلام وائس اپ ہیلپ لائن
8080807836
8080801882



جمعرات شب
زوم کانفرنس



ہفتہ واری
اجتماعات



گھریلو جھگڑوں میں
کاؤنسلنگ



تحریری
فتویٰ



سالانہ
کوئز



سوشل میڈیا
@ iic mumbai



آئی آنی آئی او ایو
Online University
iC Online University



zoom
آن لائن کوریو
دروس زوم ایپ پر



میڈیکل
ہیلپ



ماہانہ راشن
کٹ کی تقسیم



ماہانہ میگزین
”اہل السنہ“



فری
قرآن تقسیم



کتابوں اور
پمفلٹ کی طباعت



بچوں کے لئے
صفحہ اسلامک کلاسیز



بچیوں کے لئے
صفحہ اسلامک کلاسیز



خواتین کا تعلیمی
و دعوتی شعبہ



سالانہ
کانفرنس

PLEASE
SUPPORT
US

Account Name : **ILM Foundation** | Account No. : **102801002071**
IFSC Code : **ICIC0001028** | MCR Code : **400229097**
Bank Name : **ICICI Bank (Savings)**
Branch : **Andheri Link Road, Mumbai**

QR CODE -
For All Online Bank,
UPI Apps Transfer



If Undelivered Please Return To

AhluSunnah

Managed by: **ILM Foundation**

iC Islamic Information Centre

Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

To,

Book Post